Respected Urdu Lover,

Greetings and Welcome,

Our mission is to upload 1,001 Free Urdu Novels by 2010. You can help us by

(1) Composing some pages of the upcoming Novels

(2) Emailing this Novel to your 50 friends.

For more details please visit now: **www.1001Fun.com**

:: Our Special Thanks to ::

www.OneUrdu.com
www.PakStudy.com
www.UrduArticles.com
www.UrduCL.com
www.NayabSoftware.com

اردو پسندوں کو آداب اور خوش آمدید

ہمارا مشن دو ہزار دس **(2010)** تک ایک ہزار ایک **(1,001)** مفت اردو ناول آن لائن کرنے کا ہے۔ آپ اردو سے محبت کے اس مقدس مشن میں ہمارے ساتھ تعاون کر سکتے ہیں۔ ﴿1﴾ آئندہ ناول کے چند صفحات کی کمپوزنگ کر کے ﴿2﴾ یہ ناول اپنے پچاس (50) دوستوں کو ای میل کر کے۔ ﴿2﴾ مزید تفصیلات کے لیے ابھی وزٹ کیجیے۔

wwww.1001Fun.com

تاریخ آغاز:28052008

تاریخ اختتام:28052008

اسکینگ:ایچ مطہرہ

من آنگن کے پرندے

از

رفعت سراج

ناول کا آغاز

ہیلو۔۔۔پھوپھی زاد۔۔۔

صبا نے اسے گھور کر دیکھا تو بناوٹی انداز میں ڈر کر بولا۔کزن۔ پھوپھی زاد کزن پھر ادھر ادھر دیکھ کر آہستہ سے قریب جھک کر گویا ہوا۔

ارے بھئی،کون سا باقاعدہ نکاح ہوا ہے۔میں نے دیکھا ہے لڑکیاں نکاح سے پانچ منٹ قبل تک منگیتر کو بھائی بولتی ہیں۔فلاں بھائی،ڈھمکاں بھائی۔مگر مجھے اس قسم کی منافقت بالکل پسند نہیں۔یہ تو سراسر رشتوں کی بیحرمتی ہے۔

وہ کچن سے باہر آ کر صاف گوئی سے بولی۔اور یہ آج صبح ہی صبح نزول کس سلسلے میں ہوا ہے؟وہ سنجیدگی سے خول چڑھا کر بولی۔

ارے بھائی میرا مطلب ہے۔کزن۔۔۔اگر تمہارے سوال و جواب کا ڈر نہ ہو تو یہ نزول صبح شام ہوا کرے۔کبھی کبھی تو مجھے حیرانی ہوتی ہے کہ میں تو شادی سے پہلے ہی اچھا خاصا زن مرید ہو گیا ہوں۔وہ سر کھجا کر شرارت سے مسکرایا۔

وہ دراصل آفس کی سمت مڑتے مڑتے مجھے خیال آیا تم بھی تو یونیورسٹی جاؤ گی ڈراپ کرتا چلوں۔

شکریہ یہ میرا روز کا مسئلہ ہے۔کوئی ایک دن کا نہیں۔وہ منہ بنا کر بولی۔

ٹھیک ہی کہا ہے کسی نے جتنا مرد کی محبت کا گراف اوپر جاگا اس سے دوگنی تیزی سے عورت کا

نخرہ۔

مت بگھارا کرو میرے پاس آ کر صبح ہی صبح یہ عورت مرد کے فلسفے۔وہ بداخلاقی سے کہہ کر تیار ہونے چلی دی اور وہ پھوپھی کے بیڈروم پر دستک دینے لگا۔کچھ دیر بعد جب وہ اس کے ہمراہ گاڑی میں بیٹھی یونیورسٹی کی جانب محوسفر تھی تو اس نے کن انکھیوں سے اس کے صبیح چہرے کو دیکھ کر کہا تھا۔

یار انسان جیئے تو خودداری سے جیئے۔ناک کٹا کر جینے میں کیا مزہ۔اس کا اشارہ تھوڑی دیر قبل کے اس کے انکار کی جانب تھا۔

اتنی دیر میں پہلی مرتبہ صبا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی۔

اس نےگردن موڑ کر عمر کی سمت دیکھا۔آف وہائٹ سوٹ اور سرخ سرخ و بلیک ڈاٹس کی ٹائی میں باوقار ہیئر اسٹائل کے ہمراہ وہ ٹوٹ کر چاہے جانے کی قابل لگ رہا تھا۔اپنی رومان پرور باتوں سمیت۔

صبا کے خوبصورت ہونٹوں کی مسکراہٹ اس کے تمام تر جنوں کا حاصل ہوا کرتی تھی۔اس نے بایاں ہاتھ اسٹیئرنگ سے اٹھا کر اس کی سیٹ کی پشت کی جانب پھیلانا چاہا تو وہ گھور کو بولی۔

دیکھو۔دروازہ کھول کر کود پڑوں گی چلتی کار سے۔

اس کی اس بے ساختہ گھبراہٹ پر عمر نے دل ہی دل مں بیحساب قہقہہ لگا تھے۔بیوقوف لڑکی اس نے دوبارہ ہاتھ اسٹیئرنگ پر رکھ لیا۔

چڑیاں،طوطے پالتے سنبھالتے مجو بھائی خود بھی کسی چڑیا طوطے سے کم نظر نہ آتے تھے۔عجیب کھوئے کھوئے سے انسان تھے۔کہنے والا پوری بات بھی کہہ جاتا موصوف آخر میں آرام سے فرماتے۔

ہیں۔۔

اپنی انہیں عادتوں کی وجہ سے وہ بیحد تنہا ہو گئے تھے۔

وہ بھابھی کے ساتھ ماموں کے ہاں آئی تھی۔ممانی تو بازار گئی ہوئی تھیں۔وہ عمر کے کمرے میں چلی آئی۔انتہائی قرینے سے لباس زیب تن کرنے والے کا کمرہ بیحد بے ترتیب تھا۔

اف توبہ۔بہت ہی بے سلیقہ ہیں یہ عمر تو۔اس نے ایک ایک چیز سلیقے سے رکھی۔وہ جھکی ہوئی بیڈ شیٹ بچھا رہی تھی۔اس دم کسی نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر اپنی سمت موڑا۔

ارے یار مت عادت خراب کرو۔تم ایک دن ٹھیک کر دو گی باقی دن۔۔۔؟

بھئی،جہاں سے چیز لیا کریں وہیں رکھ دیا کریں کمرہ خوب دخود صاف رہا کرے گا۔سوٹ اتارا کریں تو وارڈ روب میں لٹکا یا کریں قمیص میلے کپڑوں میں۔جوتے شو ریک میں۔کمرہ ہر دم صاف۔اس نے روانی سے کہتے ہو تکیہ ٹھیک سے رکھا۔

کیا ایسا نہیں ہو سکتا تم جلد اس گھر میں آ جاؤ۔۔۔؟

اس نے غصے سے اس کی سمت دیکھا مگر ادھر آنکھوں میں جنا نے کیا تھا وہ کترا کر بولی۔

ہوں۔۔۔بڑی اچھی بات ہے۔بڑے بھائی کی فکر نہیں ہے۔اپنی شادی کی پڑی ہے۔

ارے نہیں،صرف اپنی نہیں بلکہ تمہاری بھی۔وہ شرارت سے مسکرایا۔

دیکھو عمر۔اگر اس قسم کی باتیں کرنا نہیں چھوڑیں ناں تو میں بات نہیں کروں گی تم سے۔وہ باہر نکلنے لگی تو اس نے ہاتھ پھیلا کر راستہ روک دیا۔

دیکھو۔اس طرح نہیں،اب کیا کروں۔پتا نہیں امی نے بوقت پیدائش کون سا سرمہ میری آنکھوں میں ڈالا تھا جب بھی تمہیں دیکھتا ہوں تم دلہن کے روپ میں نظر آتی ہو۔عمر کی دلہن کے روپ میں۔وہ شرارت سے جھک کر بولا تو وہ اس کا ہاتھ ہٹاتی ہوئی باہر نکل آئی۔

مجو بھائی پنجروں کے پاس کھڑے منہ سے عجیب وغریب آوازیں نکال رہے تھے۔

السلام علیکم ماجد بھائی۔۔۔وہ پیچھے سے جا کر گویا ہوئی تو وہ چونک کر مڑے۔

اوہ۔۔صبا۔۔کیسی ہو بھئی۔۔۔؟وعلیکم السلام۔۔ان کا رخ دوبارہ پنجروں ک جانب مڑ گیا تھا۔وعلیکم السلام انہوں ن ے پنجرے کی سمت منہ کر کے ہی کہا تھا۔

عجیب ہیں آپ ماجد بھائی۔میں پنجرے میں نہیں ہوں۔وہ جل کر بولی۔

وہ ایک دم پلٹ کر اسے غور سے دیکھنے لگے۔ہیں۔۔؟

اوہ ہاں۔۔وہ کھسیانی ہنسی ہنس کر آہستہ سے گویا ہو۔کیا کر رہی ہو آج کل۔۔؟

بھاڑ جھونک رہی ہوں آج کل۔اسے ان کی حالت دیکھ کر کوفت ہو رہی تھی۔

کیوں۔۔؟وہ سٹپٹا کر دوبارہ بولے۔اوہو۔بہت غصے میں ہو۔لگتا ہے بہت پڑھ رہی ہو۔۔؟

مجھے آپ پر غصہ آ رہا ہے۔۔۔اپ کو تو کپڑے بدلنے کی بھی فرصت نہیں ہے۔زہر کھلا دوں گی

ایک دن ان سب کو۔ وہ پنجروں کی سمت گھور کر بولی۔

چلیے۔ ورنہ کھول رہی ہوں یہ پنجرے۔

وہ دھمکی کے انداز میں بولی تو وہ شفقت سے مسکرا کر اپنے کمرے کی سمت بڑھ گئے وہ ان کے پیچھے چلی آئی۔

ماجد بھائی۔ پہلے شیو بنائیے۔ میں آپ کے کپڑے نکالتی ہوں۔

اس نے کپڑے نکال کر استری کیے، ماجد بھائی ابھی تک بلیڈ ہی ڈھونڈ رہے تھے۔

اوہ خدایا۔ آپ کا یہ ریزر کس قدر دقیانوسی ہے۔

عمر کے پاس کتنا خوبصورت شیونگ بکس ہے آپ بھی ویسا ہی لے لیجیے۔ ٹھہریے میں عمر کا ریزر لا رہی ہوں۔ وہ باہر نکل آئی۔

ارے بھئی۔ یہ باتھ روم ہے۔ وہ لیٹا ہوا صبح کا اخبار دیکھ رہا تھا ایک دم اخبار سامنے سے ہٹا کر بولا تھا۔

پتا ہے مجھے کہ یہ باتھ روم ہے مجھے تمہارا ریزور چاہیے۔

ریزور۔۔۔ خیریت۔۔۔ کہیں تمہاری۔۔۔ خدانخواستہ۔۔۔ وہ شرارت سے بولا تو وہ جھینپ کر بولی۔

ماجد بھائی شیو بنائیں گے۔

ارے بھئی، انہیں میرا ریزر مت دینا۔۔۔ اس کا موڈ ایک دم بدل گیا۔

کیوں۔۔۔؟ وہ حیران ہوئی۔

بس کہہ دیا کہ نہیں۔۔۔ وہ جھلا کر اس طرح بولا کہ صبا ایک دم سمجھ گئی۔

عمر ماجد بھائی انسان ہیں۔ لوگ تو پالتو کتوں کو گود میں اٹھا پھرتے ہیں پھر وہ تو تمہارے بڑے بھائی ہیں۔ وہ افسوس سے بولی۔

اچھا لے جاؤ یہ ریزر۔۔۔ میں دوسرا ریزر لے آؤں گا۔ وہ اسی طرح جھلا کر بولا۔

وہ ریزور لے کر ماجد بھائی کے کمرے میں چلی آئی۔

تھوڑی دیر بعد ماجد بھائی نکھرے ستھرے ان کے درمیان بیٹھے چا پی رہے تھے۔

عمر کا موڈ ایک دم بدل چکا تھا۔ صبا نے بھی اس سے بات کرنے کی کوشش نہ کی۔

اس کی خالہ کی بیٹی افشاں دو روز سے آئی ہوئی تھی۔ باہر لان میں ٹینس سے شوق فرما کر اب گھاس پر نیم دراز ہو کر باتوں میں مصروف تھیں۔

ارے یہ تمہارے عمر بھائی نظر نہیں آ رہے دو دن تو ہو گئے مجھے آ ہو۔

افشاں نے استفسار کیا۔

بھائی ہوں گے تمہارے۔ وہ بناوٹ سے چڑ کر گویا ہوئی۔ مت لگاؤ بھائیوں کی شان و شوکت کو بٹہ۔

بٹہ چھوڑو۔ وہ دیکھو سامنے سل چلی آ رہی ہے۔

اور وہ ماجد بھائی کو دیکھ کر حیران حیران سی اٹھ بیٹھی۔

ارے۔۔۔ارے۔۔واہ ماجد بھائی آج کدھر بھول پڑے۔۔۔؟ وہ خوش دلی سے بولی تھی۔

کیا کریں بھئی بھولنا ہی پڑا، وہ سنجیدگی سے بولے۔آپا نے سو کا نوٹ دیا تھا۔

آپا۔۔؟ افشاں نے صبا کو دیکھا۔

بھئی ممانی جان۔ جی ماجد بھائی کیا ہوا پھر سو کا نوٹ؟ افشاں کو جواب دے کر وہ پھر ماجد کی سمت متوجہ ہوئی۔

پتا نہیں کسی نے نکال لیا شاید۔قصاب کی دوکان پر سامان رکھا رکھا ہے۔شاید وہیں کسی نے۔وہ غائب دماغی سے جیب پر ہاتھ مارنے لگے۔

وہ صبا اب میں اس طرح گھر تو نہیں جا سکتا ناں۔تمہیں تو پتا ہے آپا۔وہ خفیف سے ہو رہے تھے۔

صبا ان کا مطلب سمجھ کر فوراً اندر چلی گئی۔واپسی میں اس کے ہاتھ میں سو کا نوٹ تھا۔

یہ لیجے ماجد بھائی۔۔

بھئی، شام کو لے آؤں گا واپس۔

ہائیں۔مگر۔کیوں۔۔؟ وہ متعجب ہوئی۔

بھئی بطور قرض لے رہا ہوں۔انہوں نے اس مرتبہ آنکھیں کھول کر اسے غور سے دیکھ کر کہا تھا۔

اوہ اچھا۔۔۔اچھا۔۔میں سمجھی اسی نوٹ کو واپس۔۔

وہ شرارت سے ہنسی۔افشاں بھی مسکرا دی مگر وہ اسی سنجیدگی سے آگے بڑھ گئے تھے۔ابھی ان

دونوں نے اندر جانے کے ارادے سے قدم بڑھا ہی تھے کہ ماجد بھائی کو دوبارہ اپنی جانب آتے دیکھا۔

الٰہی خیر۔۔وہ منہ ہی منہ میں بدبدائی۔

کیا کہتے ہیں۔۔۔صبا۔۔بھئی، وہ تم اطمینان رکھنا میں شام کو دے جاؤں گا۔

وہ مخصوص دھیمی آواز میں گویا ہوتو صبا نے سر پیٹ لیا۔

اللہ ماجد بھائی۔بھلا میں نے آپ سے کچھ کہا ہے؟ اور میں کوئی آپ ہوں جو ایک سو کے پیچھے جیون کو روگ لگا بیٹھوں گی جب جی چاہے دے دیجیے گا بلکہ نہ بھی دیں تو میں آپ سے مانگوں گی نہیں۔وہ زچ ہو کر بولی تھی۔

ہائیں۔۔۔پورے سو روپے۔وہ حیران ہو۔

دیکھیں ماجد بھائی۔۔۔اب اگر آپ نے سو روپے کی گفتگو کی تو میں سو روپے پر پچاس روپے فی گھنٹہ کے حساب سے سود لگا دوں گی سوچ لیں پھر شام تک کا تخمینہ بھی لگا لیں۔

افشاں کو ہنسی ضبط کرنا مشکل ہو رہی تھی۔اور ماجد بھائی کچھ بولے بنا تیزی سے گیٹ کی سمت بڑھے تو افشاں کھلکھلا کر ہنس دی مگن اس نے اس ہنسی کو ایک دم کنٹرول کر لیا کیونکہ صبا نے ہنسی میں اس کا ساتھ نہیں دیا تھ۔

ارے بڑی دلچسپ چیز ہیں یہ ماجد بھائی۔وہ اتنا ضرور کہہ گئی پھر اس کے بعد اس نے صبا سے ماجد کی کوئی بات نہیں کی تھی۔

وہ کمرے ہی میں تھی ابھی جبکہ افشاں کھانے کے کمرے میں جا چکی تھی کہ وہ دندناتا ہوا آن وارد ہوا۔

ارے بھئی،تم زیادہ ہمدردیاں مت جتایا کرو۔الٹی سیدھی پٹیاں پڑھانے بلا لیتی ہو انہیں۔

کسے۔۔۔؟ وہ رسانیت سے بولی۔

ماجد بھائی کو اور کسے۔۔؟اس کے لہجے میں نفرت گھلی ہوئی تھی۔

بہت افسوس کی بات ہے عمر تم یہاں جب چاہے آ سکتے ہو تو۔آخر ان کا بھی اس گھر سے تعلق ہے۔

گویا تم انہیں میرے برابر کی حیثیت دیتی ہو۔اس کا لہجہ معنی خیز ہو گیا۔

ظاہر ہے تم بھی مظہر ماموں کے بیٹے ہو اور وہ بھی۔اس نے تحمل سے جواب دیا۔

صبا بیگم۔ بہت فرق ہے مجھ میں اور ان میں۔ میں نوٹ کماتا ہوں۔ وہ گھاس کھودتے ہیں۔

اس نے اپنی بات کے اختتام پر طنزیہ قہقہہ لگایا۔

اب پتا چلا کہ موصوف بازار وغیرہ سے اتنی دیر میں کیوں لوٹتے ہیں۔امی سخت پریشان کہ خدایا کہیں ماجد بھائی۔اس نے جان بوجھ کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

آخر سودا سلف تم کیوں نہیں لے آتے۔وہ کوئی نوکر تو نہیں ہیں۔آخر اسے تاؤ آ گیا۔

میں ان کی طرح بیکار نہیں ہوں۔ سمجھیں

ایسی کیا مصروفیت ہے۔صبح شام تو تم یہاں ہوتے ہو۔وہ اس کے خوامخواہ الجھنے پر بگڑ اٹھی تھی۔

اس کے اور اپنے رشتے کی نزاکت فراموش کر بیٹھی تھی۔

مارے ضبط کے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔اس نے خونی نظروں سے صبا کو دیکھا اور گاڑی کی چابی مٹھی میں بھینچ کر تیزی سے باہر کی سمت پلٹ گیا۔وہ بھی بھائی ہوئی کھانے کے کمرے میں چلی آئی۔

ہونہہ۔ ہر وقت مزاج سوا نیزے پر چمکتے سورج کی طرح رہتا ہے۔خوامخواہ رعب جمانا۔

امی۔آپ کہہ دیجیے گا عمر سے۔مت بات کیا کریں مجھ سے۔گویا بیدام غلام ہوں میں۔

ہائیں۔عمر کہاں ہے۔۔۔؟ ارے اسے کھانے کے لیے نہیں کہا۔

ان سے پہلے ماجد بھائی آ تھے جب انہیں نہیں کہا تو عمر سے کیوں کہتی۔

ارے لڑکی۔ ہر وقت انگاروں پر بیٹھی رہتی ہے۔ ماجد کو کیوں اندر نہیں بلایا؟ ارے افشاں تم نے بھی نہیں بتایا ارے کیا چلے گئے بچے۔وہ کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

ارے امی۔اب تو وہ گھر بیٹھے ہوں گے۔وہ بے نیازی سے ڈونگا اپنے سامنے کھسکا کر بولی۔

صبا۔بہت غلط حرکت ہے۔عمر سے تم برابر الجھتی ہو۔ذرا دیر لڑکے کو ٹکنے نہیں دیتیں۔

بس رہنے دیں امی۔رہی سہی کسر آپ لوگوں نے پوری کر رکھی ہے۔میں الجھتی ہوں یا وہ خود ہر وقت مجھے تنگ کرنے پر تلے رہتے ہیں۔وہ بڑی رغبت سے کھاتے کھاتے جھلائی۔افشاں نے اس کے خون چھلکاتے خوبصورت چہرے کو چپکے سے دیکھا اور شرارت سے مسکرا دی۔پھر بولی۔

وہ۔۔۔کون۔۔؟

وہی۔۔۔عمر اور کون۔۔وہ اپنی دھن میں بولی تھی۔مگر اس کی امی کا موڈ خراب ہو گیا تھا کہ دونوں بھتیجے باہر سے باہر واپس ہو گئے۔اس نے بھی پوری بات نہیں بتائی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ماں کی خاموشی محسوس کر کے وہ گویا ہوئی۔

امی۔ماجد بھائی کہہ رہیت ھے وہ شام کو آئیں گے۔اس وقت وہ جلدی میں تھے میں کیسے روکتی؟اس نے ماں کا خراب موڈ بحال کرنا چاہا مگر وہ خاموش رہیں۔

شام کو ماجد بھائی حسب وعدہ آ اور ایک کڑک سرخ نوٹ صبا کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

اف خدایا ماجد بھائی۔دوپہر کو کھانا بھی کھایا تھا یا یہ روپے سر پر۔وہ کھلکھلائی۔

ارے نہیں بھئی۔وعدہ شام کا تھا۔اور وعدہ کوئی معمولی بات نہیں۔وہ لان چیئر پر بیٹھتے ہو ہمیشہ کی طرح سادگی سے گویا ہو تھے۔

ارے ماجد بھائی بڑے خوش نصیب ہوں گے جن سے آپ وعدہ کرتے ہوں گے۔وہ شررت سے مسکرائی۔

ہیں۔۔۔؟ہاں۔۔۔وہ پھر گڑبڑا گئے۔

آغی ماجد بھائی اندر چلتے ہیں۔بہت ڈانٹ پڑی ہے مجھے آپ کی وجہ سے۔۔۔۔

کس سے بھئی۔۔؟وہ اس کے حکم پر روبوٹ کی طرح کھڑے ہو کر پوچھنے لگے۔

امی سے اور کس سے۔کہہ رہی تھیں آپ اندر کیوں نہیں آ بغیر کھانا کھا کیوں چلے گئے۔

تم نے بتایا نہیں۔۔۔کہ۔۔۔

بتا دیتی تو امی کی اور ممانی جان کی لڑائی ہو جاتی آپ کے پیچھے۔

ہائیں۔۔۔وہ کیوں بھئی۔۔؟انہیں شدید حیرت ہوئی۔تو صبا کا جی چاہا اپنا سر پیٹ لے۔

مجھے نہیں پتا۔وہ جھلاّ گئی۔اور ماجد کو ماں کی خواب گاہ میں بھیج کر خود کچن میں چلی آئی۔

توبہ۔۔۔ماجد بھائی کا تو اس دنیا میں گزارہ ہی نہیں ہے۔کووں کی طرح نوچ کھا گی یہ دنیا۔

بھائی کو ماجد کا بالکل بھی خیال نہیں تیس برس کا ہونے کو آیا شادی کا کوئی سلسلہ ہی نہیں۔عابدہ بیگم نے الماری کا پٹ بند کرتے ہو تفکر سے کہا۔

تو تم احساس دلا دو۔خان صاحب نے میگزین کا صفحہ پلٹا۔

کہنا ہی پڑے گا۔سامنے ضمیر صاحب کی تین بیٹیاں ہیں۔بیگم ضمیر کئی مرتبہ اشاروں کنایوں میں ظاہر کر چکی ہیں کہ انہیں اچھے رشتے بتاؤں۔کل جا کر بھابھی سے بات کروں گی۔مگر بھئی یہ تو بہت ایڈوانس لوگ ہیں۔جب کہ ماجد تو۔۔

ارے تو کیا پاگل ہے لڑکا خدانخواستہ۔وہ برا مان گئیں۔سیدھا سادھا لڑکا ہے۔لوگوں کو اور کیا چاہیے۔گزارے لائق کما لیتا ہے۔ٹھنڈا مزاج ہے۔جو بھی آ گی خوش رہے گی۔آپ بھی کل میرے ساتھ چلیے گا۔

کل۔۔۔وہ تردد سے بولے۔

کر دیجیے کوئی بہانا۔وہ برہمی سے گویا ہوئیں۔

اچھا بھئی،چلیں گے۔انہوں نے قصہ کوتاہ کرتے ہو کہا۔

اب ذرا دیکھیں چھ برس چھوٹا ہے عمر۔اس کی تو انہیں اتنی فکر ہے کہ کل سہرا باندھ دیں۔صبا نے یونیورسٹی میں داخلہ لیا تو بولیں کہ دو سال بہت ہوتے ہیں۔شادی ہو جانی چاہیے۔ماجد کی بات ہی نہیں کرتیں۔بس اب کل بات ضرور ہوگی۔کیوں۔۔۔؟

ہاں۔۔ہاں۔۔بھئی کہہ تو دیا چلیں گے۔وہ اکتا سے گئے تو وہ کمرے سے باہر آ گئیں۔

افشاں اور صبا غالباً کمرے میں باتوں میں مصروف تھیں۔وہ ان کے کمرے میں چلی آئیں۔

ارے صبا۔۔یہ جو ضمیر صاحب کی لڑکیاں ہیں کیسی ہیں۔۔۔؟

کیا مطلب ہے امی۔۔؟لڑکیاں ہیں اور بس۔وہ حیران ہوئی۔

میرا مطلب ہے عادت وغیرہ۔کیسے خیالات ہیں۔۔۔؟

خیریت امی۔۔۔؟

ارے بھئی،ماجد کی شادی بھی کرنا ہے کہ نہیں،عمر گزرتی جرہی ہے لڑکے کی۔وہ فکرمندی سے گویا ہوئیں۔

ماجد بھائی کی شادی۔ارے واہ بڑا مزہ آ گا۔وہ خوشی سے اچھل کر گویا ہوئی۔

ارے بھئی۔بات چیت پو ہو جا۔پھر ہی شادی ہوگی۔اسی لیے تم سے پوچھ رہی تھی۔

امی ضمیر صاحب کی سب سے بڑی لڑکی مجھے بہت پسند ہے۔ماجد بھائی کی طرح بیحد سادہ ہے۔چلیں امی۔وہ بیتابی سے بولی۔

پاگل ہوئی ہو۔آدھی رات کو رشتہ مانگنے چل دیں۔کل تو بھابھی سے بات کرنے جاؤں گی۔تم چلو گی۔۔؟مگر نہیں تم کیا کرو گی جا کر تم اور افشاں گھر پر ہی رہنا۔انہوں نے فوراً ہی فیصلہ کیا اور بدل بھی دیا اور انہیں جلد سونے کی تاکید کر کے چلی گئیں۔

اوہ افشاں۔۔۔کتنا مزہ آ گا۔ماجد بھائی کی شادی۔وہ خوشی سے بولی۔

سچ بتاؤ یہ خوشی نمبر جلد لگنے کی ہے میرا مطلب ہے لائن کلیئر یا واقعی ماجد بھائی کی شادی کی۔وہ شرارت سے بولی۔

ارے بھئی،ہماری لائن تو سدا کی کلیئر ہے۔وہ بھی جواباً شرارت سے بولی۔

صبح تم عمر سے لڑ تو اس طرح رہی تھیں گویا۔

ارے بھئی۔یہ تو ہمیشہ والی لڑائیاں ہیں پیار بھری۔

اچھا رومانس ہے۔ہر وقت محاذ گرم رہتا ہے۔وہ بناوٹی تعجب سے گویا ہوئی۔

ہاہا۔وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور تکیے پر اوندھ کر کسی خوبصورت تصور میں گم ہوگئی۔

☆

اگلے روز عابدہ بیگم شوہر کے ہمراہ بھائی کے گھر چلی گئیں۔اس نے افشاں کے ساتھ پکوڑے تلنے کا پروگرام بنایا۔نہایت لذیذ پکوڑے تیار ہو پہلے خود پیٹ بھر کر کھا باقی نوکروں کی کوارٹروں میں بھجوا کر وی سی آر پر مائیکل جیکسن لگا کر دراز ہوگئیں اس قدر پیٹ بھرا ہوا تھا کہ مائیکل جیکسن کی ہو ہکار کے باوجود پڑ کر سوگئیں

عابدہ بیگم نے اندر داخل ہو کر نہایت تعجب سے بے وقت سوتی لڑکیوں کو دیکھا پھر ٹی وی کی روشن مگر سادہ اسکرین کو۔ آگے بڑھ کر وی سی آر آف کیا پھر ٹیوب روشن کرتے ہو زور سے بولیں۔

ارے صبا۔ یہ بیوقت کیسے سو رہی ہو؟ تمام کمرے کھلے پڑے ہیں۔ کس قدر غیر ذمہ دار ہو۔

افشاں خالہ کی آواز پر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

پکوڑے کھاتے ہی نیند آ گئی۔ خالہ جان۔

پکوڑے۔۔؟ ہائیں۔ کیا کہہ رہی ہو۔ کیا بھنگ کے پکوڑے تھے۔ کس نے لا کر کھلا۔۔؟

انہوں نے بھانجی پر سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔

خالہ جان۔ ہمرے پکوڑے بناتھے شام کی چاپر۔

اے۔ صبا۔ اٹھو بھئی۔ اس نے صبا کو ہلایا۔

ارے بھئی مجھے تو اس لڑکی پر اعتبار ہی نہیں رہا۔ لو بھلا گھر کھلا پڑا ہے اور یہ پڑی سو رہی ہیں۔ وہ کھسیائی ہوئی منہ دھونے چلی گئی پھر ماں کے پاس کچن میں آ کر بولی۔

ممانی جان نہیں آئیں امی۔۔۔؟

وہ کیوں بھئی۔۔؟

رشتہ مانگنے نہیں جائیں گی۔ وہ سادگی سے بولی۔ عابدہ بیگم بے ساختہ مسکرا پڑیں۔

ہتھیلی پر سرسوں جما رہی ہو۔ شادی بیاہ کا معاملہ ہے۔ اچھا ہوا میں چلی گئی۔ بھابھی کی طبیعت

ٹھیک نہیں ہے۔ گردے کی تکلیف ہے۔ کہہ رہی تھیں دو چار دن کے لیے تمہیں چھوڑ دوں۔ وہ کل ایڈمٹ ہو جائیں گی۔ عمر آ گا صبح۔ چلی جانا۔ حالانکہ مجھے اکیلے گھر میں تمہیں بھیجنا پسند تو نہیں۔ لیکن منع کرتی تو وہ برا مان جاتیں۔

اکیلا گھر۔۔؟ کیوں۔۔ ماموں جان، ماجد بھائی، عمر نہیں ہوں گے گھر پر۔۔۔؟

جاؤ اچھا۔ دو چار آلو نکال لاؤ تھوڑا رائتہ بنا لوں۔ اس نے صاف محسوس کیا کہ ماں نے اسے ٹالا ہے۔ گویا وہ اس موضوع پر بات کرنا نہیں چاہتیں۔ افشاں بھی کچن میں چلی آئی وہ کھانے میں خالہ کی مدد کرانے لگیں۔

☆

صبح تو عمر نہیں آیا۔ البتہ شام ڈھلتے ہی چلا آیا۔ خاموش خاموش ناراض سا۔ آتے ہی نوکرانی سے گویا ہوا تھا۔

دیکھو بھئی۔ اپنی بی بی سے کہو میں یہاں پڑاؤ ڈالنے نہیں آیا۔ فٹافٹ تیار ہو جائیں مجھے اور بھی بہت سے کام ہیں۔

اس نے عمر کی بات سن لی تھی۔

ہونہہ۔۔۔ چوکیداری کو بھی لے جا رہے ہیں اور الٹا احسان بھی جتایا جا رہا ہے۔

افشاں تو صبح ہی خان صاحب کے ہمراہ اپنے گذر چلی گئی تھی۔ وہ لشتم پشتم تیار ہو کر گاڑی میں آ بیٹھی۔ وہ غالبا پھوپھی کے پاس تھا۔ نوکر نے اطلاع دی تو باہر آیا اور بے نیازی و سرد مہری سے

دروازہ کھول کر بیٹھ گیا اور فوراً ایکسلیٹر پر پاؤں رکھ کر چابی گھما دی۔

صبا نے ڈیش بورڈ سے کیسٹس اٹھا کر دیکھنا شروع کر دیں۔ایک کیسٹ انتخاب کر کے پلیر میں لگا دی اور خود کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔آف وہائٹ سفاری سوٹ میں ملبوس اپنی مخصوص خوشبو سمیت وہ اس کے اعصاب پر چھا رہا تھا۔مغنیہ کی آواز ابھری۔

سوز دل بھی نہیں سکوں بھی ہے

زندگانی وبال یوں بھی ہے

عمر نے ہاتھ بڑھا کر کیسٹ پلیر بند کر دیا اور کیسٹ نکال دی اس نے چونک کر اس کی سمت دیکھا مگر وہ بے نیاز تھا۔اس نے اپنی من پسند کیسٹ لگا دی تھی۔فلمی گانا کشور کمار کی آواز میں ابھرا۔

اگر دل ہمارا شیشے کے بدلے پتھر کا ہوتا

تو ٹوٹا نہ پھوٹتا مانتا نہ روٹھتا

نہ بار بار ہنستا نہ زار زار روتا

اگر دل ہمارا۔۔۔۔

گانا ختم ہوتے ہی صبا نے کیسٹ نکال کر دوسری کیسٹ چڑھا دی۔مغنی کی پر درد آواز ابھری۔

تضاد جذبات میں یہ نازک مقام آیا تو کیا کرو گے؟

میں رو رہا ہوں تم ہنس رہے، میں مسکرایا تو کیا کرو گے؟

اس لمحے اس کا خون بری طرح کھول گیا جب عمر نے اس کی کیسٹ نکال باہر کی اور شوخ وشنگ گانوں کی کیسٹ لگا دی۔

میں تیرا ہسبنڈ تو میری وائف

جو میں کہوں گا کرے گی؟

رائٹ۔۔۔

کیا واہیات گانا ہے۔صبا نے تلملا کر پلیر کی طرف ہاتھ بڑھایا تو عمر نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔مومی ہاتھ پر عمر کا مضبوط گندمی ہاتھ سختی سے جم ہوا تھا۔اس نے ہاتھ کھینچنا چاہا۔

چھوڑو۔میرا ہاتھ۔وہ خفگی سے بولی۔

وہ اسی طرح بیٹھا رہا۔میرا ہاتھ چھوڑ۔عمر اس کی چیخ ابھری تھی۔عمر نے ٹریکٹر ٹرالی سے گاڑی بچانے کی کوشش میں کچے میں اتار دی۔

خوف سے صبا کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا اس کا ایک ہاتھ دھک دھک کرتے دل پر اور دوسرا عمر کے کندھے پر تھا عمر نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

صبا۔۔

اوہ میرے خدا۔۔صبا کے منہ سے بمشکل اواز ابھری تھی۔

ایسا بھی ہو جاتا ہے۔اپنی حالت درست کرو۔اور آئندہ میرے مرنے کی دعا اس وقت مانگنا جب میں کار میں اکیلا ہوں۔صبا نے گلہ آمیز نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

☆☆

ممانی جان ہاسپٹل جاچکی تھیں۔اس لیے رات کے کھانے کے لیے انتظام کے لیے وہ کچن میں چلی آئی۔خانساماں وغیرہ تو تھا نہیں،کھانا پکانا ممانی خود کیا کرتی تھیں۔اس نے پتیلیوں کے ڈھکن اٹھا کے دیکھے۔دوپہر کا بچا کھچا کھانا تھا۔فریج کھولا تو تھوڑا سا رائتہ اور سلاد نظر آیا وہ باہر ماموں جان کے پاس چلی آئی۔

ماموں جان۔بتایئے شام گہری ہوگئی ہے۔اب کیا پکاؤں۔اس کے چہرے پر ذمہ دارانہ تفکر تھا۔انہوں نے بھانجی کو محبت سے دیکھا۔

بیٹی۔۔۔جو کھلا دو گی کھالیں گے۔

ماموں جان میرا مطلب ہے۔چاول وغیرہ سے آپ کو پرہیز تو نہیں ہے؟

الحمدللہ۔بیٹی۔سب کچھ کھالیتا ہوں۔

وہ دوبارہ کچن میں چلی آئی۔ڈیپ فریزر کھول کر دیکھا۔مچھلی،مرغی تھوڑا سا گوشت رکھا تھا۔اس نے لہسن چھیل کر پیسا اور نمک مرچ میں حل کر کے مچھلی کے قتلوں پر لگا کر رکھ دیا اور پتیلی میں مرغی کی یخنی چڑھا کر تین بڑے سگ چاول نکال کر صاف کرنے لگی۔چاول صاف کر کے جلدی جلدی پیاز کاٹ رہی تھی کہ سیاہ شلوار قمیص میں ملبوس وہ چلا آیا۔

میری مدد کی ضرورت تو نہیں ہے باس۔۔؟

شکریہ۔ابھی آپ اس قابل نہیں ہیں۔اس نے پانی بھری آنکھوں سے لمحہ بھر کے لیے اسے

دیکھا۔

کوئی بھی مرد شادی سے قبل قابل نہیں ہوتا۔قابلیت تو شادی کے بعد کھلتی ہے۔وہ چھیڑنے والے انداز میں بولا۔

بھئی،مجھے کام کرنے دو۔خدارا

سچ اس کچھ میں تم بہت سج رہی ہو۔

اس نے اس انداز میں کہا کہ وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔حد ہے تم سے عمر۔۔

بھئی،میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔جی چاہتا ہے اب تم کبھی نہ جاؤ۔اچھا بتاؤ آج کیا زہر مار کروا رہی ہو۔۔۔؟

جو ہوگا سامنے آجا گا۔بس اب جاؤ۔ماموں جان اس نے عمر کو ڈرانے کے لیے آواز لگائی۔

دیکھو۔زیادہ شیر مت ہو ورنہ کل ہی قاضی بلالاؤں گا۔پھر ماموں تو کیا۔اس نے چھری اٹھا کر پیاز میں گھونپ دی۔پھر جلدی کرو۔کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

اس نے جلدی جلدی کھانا تیار کیا مرغی پلاؤ،تلی ہوئی مچھلی اور دیگر لوازمات میز پر سجا کر ماموں ،ماجد اور عمر کو اطلاع دی۔سب سے آخر میں عمر آیا۔

پلاؤ کی ڈش کھسکاتے ہو چور نظروں سے صبا کو دیکھ کر باپ سے گویا ہوا۔

پاپا۔یہ قائم مقام تو سخت بجٹ بگاڑ لگ رہا ہے۔

ماموں جان دل کھول کر خوشی سے ہنسے۔

ارے بھئی کتنی ہمت والی ہے کتنا مزیدار کھانا بنایا ہے۔تمہاری امی تو بس ہمیں شوربے میں ڈبوتی رہتی ہیں۔

پاپا۔سنبھل کے۔ٹیبل کے نیچے ٹیپ ریکارڈر رکھا ہےاور آن ہے۔

میز پر قہقہے بکھر گئے۔

پتا نہیں عمر کی یہ کیا خصوصیت تھی سب سے مذاق کر جاتا تھا اور کوئی برا بھی نہیں مانتا تھا۔

پتا چلا سونے سے پہلے دودھ پیتے ہیں۔اس نے کھانا ختم کر کے فوا دودھ کو جوش دیا۔پھر عشاء کی نماز پڑھنے چلی گئی۔ماموں کے ساتھ والا کمرہ اس کے لیے بک تھا۔

سب سے پہلے ماجد بھائی کو دودھ دے کر آئی تو نیلے رنگ کے طوطے کی گردن دبوچے اس کی آنکھوں میں گھور کر جانے کیا تحقیق کر رہے تھے۔

میرا خیال ہے اس کو عینک لگے گی۔وہ سنجیدگی سے گویا ہوئی دودھ پتائی پر رکھ دیا۔

ہیں۔۔؟وہ بری طرح چونک کر گویا ہو۔۔۔سر جھکا کر بولے۔ہاں۔۔پھر سٹپٹا کر بولے۔کیا کہہ رہی تھیں۔۔؟

میں کہہ رہی ہوں آپ طوطے کی آنکھوں کا جائزہ لے رہے ہیں۔۔۔اگر کمزور ہیں تو عینک لگوا دیں اگر طوطا چشمی پر تحقیق کر رہے ہیں تو فضول ہے۔اس کی فطرت نہیں بدلی جا سکتی۔

ماجد بھائی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ در آئی۔بہت شیطان ہو۔

وہ ہنستی ہوئی باہر آ گئی۔

ماموں کو دودھ دے کر وہ عمر کے کمرے میں چلی آئی اور انگوٹھی سے دستک دے کر اندر بڑھ گئی۔

نیلگوں روشنی میں وہ کروٹ کے بل سو رہا تھا۔لو مجھے تو کہہ رہا تھا گیارہ بجے لانا۔

عمر۔۔بھئی یہ دودھ رکھا ہے سائیڈ ٹیبل پر۔مگر اس نے جنبش نہ کی۔اس نے آگے بڑھ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اٹھانا چاہا۔عمر نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔پھر مضبوطی سے پکڑ لیا وہ اس کے لیے تیار نہیں تھی۔

یہ کیا بدتمیزی ہے۔۔؟وہ تلملائی

اسے بدتمیزی نہیں چاہت کہتے ہیں۔

عمر۔۔اس کا دم گھٹ گیا۔اس کے حواس درست نہیں تھے۔وہ طیش میں دانت پیس رہی تھی۔

مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔عمر کہ تم یہ چھچھوری حرکت کرو گے۔

مگر تم میری منگیتر ہو۔اس میں برائی کیا ہے۔ہاتھ ہی تو پکڑا ہے۔

ہاتھ۔۔؟اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔عمر تم نے میری انسلٹ کی ہے۔وہ تیزی سے باہر چلی آئی۔

صبح وہ بڑی سنجیدگی سے عمر سے خفا تھی۔ہونہہ۔۔اسے شہشہ پندار کی قدر و قیمت نہیں معلوم۔

ناشتے کے بعد سب اپنے اپنے کام پر چلے گئے۔اس نے ملازمہ کے ساتھ مل کر صفائی کروائی۔

دوپہر کے کھانے کا مسئلہ حل کیا۔رات کے واقعے کے سبب اس کے ذہن میں ایک جھنجھلاہٹ سی تھی۔دوپہر کے کھانے پر صرف ماموں جان تھے۔ماجد بھائی آفس سے چار بجے آتے

تھے۔کھانے سے فارغ ہوئی تو کپڑے دھونے والی آ گئی۔اس نے مشین لگا کر دی کپڑوں کا حساب کتاب بتایا کہ پہلے کون سے کپڑے مشین میں ڈالنے ہیں اور آخر میں کون سے۔۔۔

وہ دو بجے فارغ ہو گئی تو کمرے میں آ گئی تھوڑی دیر کتاب میں گم رہی پھر سو گئی۔

پانچ بجے کے قریب وہ سو کر اٹھی تو معلوم ہوا عمر اور ماموں جان تو ممانی سے ملنے ہاسپٹل گئے ہیں اور ماجد بھائی اپنی بیرک میں نئے رنگروٹوں یعنی طوطے چڑیوں کو دانہ پانی دے رہے ہیں۔اس نے منہ ہاتھ دھو کر چائے بنائی اور اپنا اور ماجد کا کپ پکڑے چلی آئی۔

ماجد بھائی۔یہ چا

ہاں بھئی،کل ہی اپنے دوست سے لیا ہے۔بڑا نخریلا ہے۔

ماجد بھائی۔میں چا لائی ہوں۔

اوہ۔۔۔اچھا بھئی۔بہت اچھی بہن ہو۔

ماجد بھائی۔آپ ایسے ہی آفس چلے جاتے ہیں۔دو دو دن شیو نہیں کرتے۔اب دیکھیں اگر ہم آپ کا کہیں رشتہ لے کر جائیں تو لامحالہ لوگ آپ کو دیکھنے آئیں گے۔بھلا کیا تاثر پڑے گا ان پر۔یہی ہو گا کہ وہ لوگ انکار کر دیں گے۔اور آپ ساری عمر کنوارے رہیں گے۔بلا نشانی، مردوں کو تو یادگار رہنے کا یعنی رہتی دنیا تک نام قائم رکھنے کا بہت شوق ہوتا ہے۔آپ کو نہیں ہے۔۔؟

بولی صبا تھی۔سانس ماجد بھائی کا پھول گیا تھا۔اوہ صبا کتنا تیز بولتی ہو۔ذرا پانی پلاؤ۔وہ مسکراتی ہوئی پانی لینے چل دی۔

فرج سے بوتل نکال رہی تھی کہ وہ چلا آیا۔وہ انجان بنی کام میں مصروف رہی۔

بھئی صبا۔چاوا کے متعلق کیا خیال ہے۔چھ بج رہے ہیں۔

وہ بوتل دوبارہ فرج میں رکھ کر گلاس اٹھا کر باہر نکلنے لگی۔

بھئی،اتنا نخرہ کس بات پر کرتی ہو؟وہ اس کی خاموشی پر برہم ہو کر راہ میں حائل ہو گیا۔

افسوس کا مقام تو یہی ہے عمر کہ تم غلطی کرتے ہو پھر غلطی کرتے ہو۔مگر نادم نہیں ہوتے۔تم اس قدر اوور کونفیڈنس کا شکار ہو کہ سمجھتے ہو ساری دنیا احمق ہے کہ اسے چاہیے ہر وقت تمہاری آرتی اتارتی رہے۔ہٹو میرے سامنے سے۔تمہیں تو اتنا بھی معلوم نہیں کہ جب کسی کے لیے پانی لے جایا جا رہا ہو تو اس کا راستہ نہیں روکتے۔

اسی کسی نے تو میرا جینا حرام کر رکھا ہے۔پہلے مجھے چا دو۔پھر چاہے جہنم میں جاؤ۔وہ شاید بحث وضد پر اتر آیا تھا۔

چا سے زیادہ ضروری پانی ہے۔اور ذرا اپنا لہجہ ٹھیک رو۔میں نوکر نہیں ہوں تمہاری۔چا تم خود بھی لے سکتے ہو۔

پانی بھی خود لیا جا سکتا ہے۔وہ بپھر گیا تھا۔اس ترجیح پر۔

عمر۔راستہ چھوڑو میرا۔

پہلے تم میرا کام کرو۔

نہیں کروں گی۔جاؤ۔جو جی میں آئے کرو۔وہ اسے دھکیل کر آگے بڑھنے لگی مگر بڑھ نہ سکی۔وہ مکمل اس کے حصار میں تھی۔

ایک کپ چا۔اور بس۔

عمر مت تنگ کرو مجھے۔ہٹو سامنے سے۔

کیا بات ہے صبا۔۔۔؟عمر۔۔ماجد بھائی کی آواز سن کر عمر نے بے ساختہ سر پیچھے موڑا اور اسی لمحے صبا بھاگی اور ماجد کے کندھے سے ٹک کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

ماجد بھائی۔مجھے گھر چھوڑ کر آئیں۔میں کسی کی نوکر نہیں ہوں۔مجھے بچائیں۔اس جنگلی سے۔حاسد سے۔ماجد بھائی پلیز۔وہ بری طرح رودی۔

ماجد کے تو ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے۔

صبا۔ارے گڑیا۔تم اتنی سمجھدار ہو کر۔اور بھئی عمر بہت بری بات ہے آخر کچھ بھی سہی ہماری مہمان ہے۔ایک تو وہ گھر کا اتنا کام کرتی ہے۔انہوں نے چھلکتے پانی کا گلاس اپنے ہاتھ میں لے کر عمر کو سرزنش کی۔

وہ پاؤں پٹختا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

کیا ہوا تھا۔صبا؟کیا کہہ رہا تھا عمر؟انہوں نے شفقت سے پوچھا۔

میں آپ کے لئے پانی لے کر آرہی تھی تو کہنے لگے کہ پہلے مجھے چا دو۔میں نے کہا پانی چا سے زیادہ اہم ہے۔بس اسی بات پر بگڑ گئے۔

دیکھو گڑیا۔آج کے بعد کبھی اس کے ساتھ میرے معاملے میں بحث نہ کرنا۔پہلے اس کا کام کر دیا کرو۔انہوں نے غٹاغٹ پانی چڑھایا اور وہ انہیں حیرت سے دیکھنے لگی۔

وہ یہاں تفریحا رہنے نہیں آئی تھی لہذا دکھڑے بھلا کر پھر ذمہ داریاں پوری کرنے لگی۔اگلے روز ماموں کے ساتھ ممانی سے ملنے ہاسپٹل گئی۔ممانی نے گھر کا حال پوچھا بڑی مہربانی سے باتیں کیں۔

آدھے گھنٹے بعد واپس آکر پھر وہ کاموں میں مشغول ہو گئی۔عمر نظر نہیں آرہا تھا۔اس نے بھی پروا نہیں کی۔ایک تو چوری اس پر سینہ زوری۔وہ ہمیشہ بڑے آرام سے مان جاتی تھی مگر اب سوچ لیا تھا کہ جب تک عمر معافی نہیں مانگے گا اس وقت تک وہ بات نہیں کرے گی۔

تین دن بڑی خاموشی سے گزر گئے۔عمر سے سامنا بھی ہوا تو وہ کترا کر گزر گئی۔اس روز وہ کام نمٹا کر کمرے میں آئی تو عمر بیٹھا تھا۔وہ چونک پڑی مگر بے نیاز بن کر اپنے کپڑے وغیرہ ٹھیک کرنے لگی۔

صبا۔۔اس کی آواز بہت آہستہ تھی۔صبا نے کوئی نوٹس نہ لیا۔

اسی دم عمر نے پیچھے سے آکر پھر آواز دی۔صبا۔

وہ اسی طرح بے تاثر رہی۔

تب عمر نے اسے شانوں سے تھام کر اپنی جانب موڑ لیا۔

بہت ناراض ہو۔سنو میں بھی تین دن سے بہت پریشان ہوں۔سچ نیند نہیں آئی کہ تمہیں ناحق

تنگ کیا۔

وہ اندر سے قطرہ قطرہ پگھلنے لگی۔مگن جھٹکے سے اپنے کندھے چھڑا کر باہر جانے لگی۔

مگر عمر نے اپنی بے خوف و نڈر طبیعت کے بموجب اس کا راستہ روک لیا۔

آہستگی سے اس کی ٹھوڑی اٹھائی۔

بس آخری بار صبا۔معافی۔اگر آئندہ تمہیں تنگ کروں نا تو میری شکل نہ دیکھنا ساری عمر۔کتنی اذیت میں ہوں۔زندگی کہ جس کی خاطر روز بہانے بہانے سے پھوپھی کے ہاں جاتا ہوں۔وہ میرے گھر میں ہے۔میرے قریب ہے۔مگر کتنی دور ہے۔مجھ سے۔مجھ سے برداشت نہ ہوسکا۔

معاف نہیں کروگی۔۔۔؟

تم ہمیشہ مجھے تنگ کرتے ہو۔پھر ایسے ہی معصوم بن جاتے ہو۔وہ خفگی سے بولی۔

گلابی کرتے شلوار ہمرنگ دوپٹے اور سیاہ گرگابیوں سمیت وہ اس کے خون میں حلول ہوکر رگ رگ میں دوڑنے لگی۔بھرے بھرے گلابی رخساروں پر پھول کھلنے لگے تھے۔اپنی ذات کی ہمیت کے نشے نے عجیب سا سرور بخش دیا تھا۔وہی قاتل مسکراہٹ جس کا وہ دیوانہ تھا۔اس کے ہونٹوں پر ابھر آئی جو ہمیشہ اس کے ضبط کی کڑیاں توڑنے لگتی تھی۔

اتنی خوبصورت مسکراہٹ کے ہونٹ کھینچ کر ہلال بن جاتے تھے۔کئی بار اس کا جی چاہا وہ اس کے لب کے بائیں کنارے بنے تل کو جھک کر وارفتگی سے محسوس کرے مگر وہ اتنی سخت اتنی ٹف

تھی کہ گردن خطرے میں نظر آنے لگتی تھی۔وہ ایک دم پیچھے ہٹ گیا۔اس کی پیشانی پر قطرے ابھر آ تھے۔صبا نے حیرانی سے اسے دیکھا، وہ نظریں چرا کر۔آہستگی سے بولا۔شکریہ یہ پھر دروازہ کھول کر باہر نکل گیا وہ حیرانی سے سوچنے لگی کہ اسے ایک دم کیا ہوگیا۔۔۔؟

☆☆☆

ممانی جان کے گھر آنے تک وہ واقعی بہت نیک بنا رہا۔آٹھ دن بعد ممانی گھر آ گئی تھیں۔آتے ہی سارا گھر چیک کیا ہر چیز قیرنے سے لگی دیکھی جو چیز جیسی رکھ کر گئی تھیں وہ صاف ستھری حالت میں وہیں تھی۔

وہ دال چاول پکا کر شام کے کھانے کے لیے سلاد بنا رہی تھی کہ انہوں نے بورچی خانہ راؤنڈ اپ شروع کیا۔یہ دیکھ۔وہ جھانک کر کے چاول کی پتیلی کا ڈھکن اٹھا کر دیکھا۔

ارے صبا۔لگتا ہے تم نے پرانا باسمتی پکایا ہے۔یہ چاول تو بہت مہنگے ہیں۔میں نے عموماً دعوتوں وغیرہ میں کام میں لاتی ہوں۔ادھر ٹوٹا چاول بھی رکھے تھے۔

ان کا لہجہ عجیب بے مہر سا تھا۔صبا کا دل ٹوٹ گیا۔آٹھ دن میں اس گھر میں اس نے اتنا کام کیا تھا کہ اپنے گھر میں آٹھ سال میں نہیں کیا تھا۔اور خدا کے فضل سے ماموں جان بہت اچھا کماتے تھے۔عمر اور ماجد جو کماتے تھے ان کی جھولی میں ڈال دیتے تھے۔

وہ اس بچت کے انداز پر متعجب ہوئی۔بچپن میں وہ دیکھا کرتی تھی کہ کس طرح ممانی اپنے میکے والوں کو نوازا کرتی تھیں۔کاؤں سے چاول آرہے ہیں تو ایک بوری لازمی میکے پہنچتی تھی۔

جھنگ سے اصلی گھی آ رہا ہے تو ایک کنستر میکے ضرور جا رہا ہے۔ اسی طرح پھل پھلواری۔ ماموں جان ٹرپ سے واپسی پر خوش نما سوٹ پیس لاتے تو صبا کی امی کو ایک اپنی مرضی سے دے دیتیں۔ بہنوں کے سامنے تمام پیس پھیلا کر صلاعام لگاتیں کہ جو اچھا لگے لے لو۔

وہ واقعی حیران تھی کا ممانی جان نند کے معاملے میں ضرور کنجوس تھیں مگر اپنے گھر میں کب سے۔۔؟ کافی دیر بعد وہ اس نتیجے پر پہنچی کہ اعتراض کرنے کی عادت سے مجبور ہو کر زبردستی صبا کی کوئی غلطی برآمد کر کے بھڑاس نکالی گئی ہے۔ اسے واقعی بہت برا لگا۔ اتنے نازوں سے اسے پالا گیا تھا۔ وہ تو سوچ رہی تھی ممانی جان بہت خوش ہوں گی کہ اس کی غیر موجودگی میں اس نے اتنا بڑا گھر سنبھالا۔ اپنی تمام محنت اکارت جاتی دیکھ کر اس نے کھانے کی میز پر عمر سے کہا۔

عمر مجھے صبح گھر چھوڑ دینا۔ ابھی ممانی جان کی طبیعت پوری طرح ٹھیک نہیں ہے۔ کل امی جان آ جائیں گی۔ دو تین دن رہ لیں گی یہاں۔

لیکن تم کیوں جا رہی ہو بیٹی۔۔؟ ابھی تو یونیورسٹی ویسے بھی بند ہے۔ تھک گئی ہو گی ہاں۔۔؟ انہوں نے محبت سے پوچھا۔

ارے نہیں ماموں جان ایسا کتنا کام کیا ہے میں نیجو تھکی ہوں۔ وہ مصنوعی ہنسی ہنس کر بولی۔

ارے نہیں بیٹا۔ کیوں شرمندہ کرتی ہو؟ بھلا تمہاری ماں نے کبھی تمہیں ایک سے زیادہ کام کرنے نہیں دیا۔ یہاں تم نے سب کام کیے ایسے مزیدار کھانے کھلا جو بھلا نہ بھولیں۔ ماموں نے اس کا دل بڑھایا۔

شکریہ ماموں جان۔ مگر اب میں گھر جاؤں گی۔ امی آ جائیں گی۔ چھوڑ دو گے نا عمر۔۔؟

ظاہر ہے۔ وہ اس کے جانے کے خیال سے بجھ گیا تھا۔ روٹھے روٹھے انداز میں بولا۔

☆☆☆

صبا کی امی دو تین مرتبہ بھاوج سے ملنے ہاسپٹل گئی تھیں۔ وہاں بھی انہوں نے اشاروں کنایوں میں کہہ دیا تھا کہ اب ماجد کی شادی ہو جانی چاہیے۔ اور ممانی سے یہ بات اپنی ہاتوا ہی میں دبا دی تھی۔

مگر اب صبا کی امی یعنی عابدہ بیگم نے خاص طور پر بھائی کے سامنے تذکرہ چھیڑا تو انہوں نے بہن کی تائید کی۔

بھابھی آپ کام سے نہ گھبرائیں۔ میں اور صبا سب سنبھال لیں گے۔ بس اب جب آپ ٹھیک ہو جائیں گی تو لڑکی دکھانے لے جاؤں گی۔ بس اس عید تک ماجد کو نمٹا ہی دیں۔

ہاں خیر، سوچ تو میں بھی رہی تھی کہ لوگ کہیں گے کہ سوتیلی ماں ہے۔ اس لیے اتنی غافل ہے۔ اور عابدہ تم جانو سب تمہارے آگے ہی ہے۔ کبھی کوئی بیماری، کبھی کوئی۔ ممانی کو صفائی پیش کرنا ہی پڑی مبادا شوہر بعد میں کوئی طنز ہی نہ کر دیں کہ اتنی عمر ہو گئی اور ماجد کا کوئی خیال ہی نہیں حفظ ماتقدم کے تحت کچھ نہ کچھ کہنا ہی پڑا۔

طے یہ پایا کہ دس پندرہ دن بعد وہ لڑکی دیکھنے جائیں گے اور کوشش کریں گے کہ جواب جلد ملے۔ صبا کو یہ لڑکی دیکھ تجربہ بہت دلچسپ لگا۔ اس نے پُر تکلف چا پر توجہ دیے بغیر

تینوں لڑکیاں بہت توجہ سے دیکھیں۔ بڑی لڑکی اسے پہلے ہی پسند تھی۔ بیحد اجلی رنگت، دراز بال اور بڑی خاموش سی۔ دونوں کی بس نسبت بہت ہی سادہ۔

پہلے روز تو انہوں نے خاندان وغیرہ کے بارے میں معلومات ایک دوسرے کو بہم پہنچائیں۔

عابدہ خاتون نے بھاوج کا تعارف کرواتے ہو کہا کہ یہ میری بڑی بھابھی ہیں۔ حیدری میں رہتی ہیں۔ دو بیٹے ہیں ان کے۔ آج آئیں تو میں نے کہا آپ سے بھی تعارف کرا دوں کہ بہت اچھے اخلاق کی ہیں۔ میری خوش قسمتی ہے کہ میری پڑوسن ہیں۔

اور بیگم ضمیر انکساری سے شکریہ ادا کرتیہ و بہت کذچ سمجھ گئی تھیں۔ جس کا مظہر ضرورت سے زیادہ پر تکلف چا اور گھوم پھر کر اپنی بچیوں کی تعریف تھی۔

دوسرے پھیرے میں انہوں نے عرض مدعا کیا۔ تو انہوں نے کہا کہ وہ ایک ڈیڑھ ماہ میں جواب دیں گے۔ اس دوران لڑکا بھی دیکھیں گی اور دونوں گھرانوں کے مرد بھی ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے۔

صبا کو تو بہت ہی لطف آ رہا تھا۔ بڑے بھائی جو شکاگو میں تھے۔ اس سے آٹھ سال بڑے تھے۔ ان کی شادی پر صبا بہت چھوٹی تھی۔ بڑی خاص حیثیت سے لڑکی والوں کے ہاں جانا اسے بہت اچھا لگا تھا اور اس روز وہ ممانی کے ساتھ گھر چلی آئی تھی۔ امی سے کہہ دیا تھا کہ وہ ماجد بھائی کی اوور ہالنگ کرنا چاہتی ہے۔ کہیں ایسا نہ اتنی اچھی لڑکی ہاتھ سے نکل جا۔

اور اس نے پیچھے سے جا کر ماجد کو ڈرا ہی دیا تھا۔ وہ بڑی محویت سے رنگ برنگی چڑیوں کو جھولتے دیکھ رہے تھے۔

ماجد بھائی۔ ایک خبر ہے۔

ارے صبا۔ بھئی کب آئیں؟

ماجد بھائی۔ اب ایک ورا پنجرہ بنوالیں آپ۔ وہاں آپ کے ہم شکل چڑیاں اور طوطے رکھے جائیں گے۔

ماجد تھوڑا سا چونکے۔ اس وقت پوری طرح صبا کی طرف متوجہ تھے لہٰذا اپنی عادت کے مطابق چونک کر بات دہرانے کے لیے نہیں کہا تھا۔ بلکہ خفیف سے انداز میں مسکرا تھے۔

دیکھیں ماجد بھائی۔ اب کسی بھی دن لڑکی والے دیکھنے آ سکتے ہیں۔ اور پھر اس کے بعد اچانک کسی بھی دن چھاپہ پڑ سکتا ہے۔ خبردار جو آپ نے ہمہ وقتی بیٹھک لگائی ان جانور کی اولادوں کے سامنے۔ وہ منہ بنا کر بولی۔

ماجد بھائی۔ شیو بلا ناغہ ہوگی۔ کپڑے روز بدلے جائیں گے۔ بالوں مس کالا کولا ہیئر ٹانک نہیں لگے گا۔ یہ گھسی ہوئی اسفنج کی چپل نہیں پہنیں گے بلکہ وہ لیدر کی سوفٹی گھر میں ہر وقت پہنیں گے۔

اور ماجد نے اپنا سر تھام لیا تھا۔

بس ماجد بھائی کہہ دیا میں نے یہی کچھ کرنا ہوگا۔ میں روز آ کر چیک کروں گی۔ اگر آپ نے یہ سب نہیں گیا ناں تو تمام عمر بات نہیں ہوگی۔ میری آپ کی۔ وہ پیشگی روٹھ کر بولی۔

اور ماجد اس کا سر تھپتھپا کر شفقت سے مسکرا دیے تھے۔جس دن ضمیر صاحب اینڈ فیملی ماموں کے ہاں پہنچ رہے تھے۔وہ ایک گھنٹہ پیشتر ماموں کے ہاں پہنچ گئی تھی۔عمر آفس سے نہیں آیا تھا۔وہ یہ دیکھنے کے ماجد بھائی کا کیا حال ہے۔ان کے کمرے میں گئی تو سر پیٹ کر رہ گئی۔وہ ایک کٹوری میں جانے کیا ڈالے طوطے کو گردن سے پکڑے زبردستی اس کی چونچ ڈبو کر زبردستی پلانے کی کوشش کر رہے تھے۔آداب عرض ہے قبلہ بھائی جان محترم و مکرم و عالی مرتبت۔

اور وہ عادت کے مطابق چونک کر اس کی سمت خالی خالی نظروں سے دیکھ کر رہ گئے۔

ماجد بھائی آپ کے سسرال والے آچکے ہیں۔

کیوں۔۔۔؟ وہ دوبارہ اپنے علیل طوطے کی سمت متوجہ ہو چکے تھے۔

آپ انہیں اپنی مونچھوں پن لیموں نچانے کا تماشہ دکھائیں گے۔یوں۔

وہ اس قدر بھڑک گئی کہ وہ خود بخود سمجھ گئے کہ پھر انہوں نے کوئی غائب دماغی کی مثال پیش کی ہے۔

ماجد بھائی۔جلدی سے تیار ہو جائیں۔آپ کے سسرال والے آرہے ہیں۔ان کے سامنے بہت حاضر دماغی سے بیٹھیے گا۔ان سے بات دہرانے کے لیے مت کہیے گا۔آپ کا سب سے بڑا انٹرویو ہے۔اس نے صورتحال سمجھائی۔اس پر اسی وقت ممانی نے بھی آکر بڑے تلخ انداز میں کہا تھا۔

میاں۔اب دکان بڑھالو۔ساری عمر ایک سے کام نہیں ہوتے۔کوئی ڈھنگ کا جوڑالتا پہنو۔

تب انہیں وقت کی نزاکت کا احساس ہوا۔اور وہ اٹھ کر کھڑے ہو۔تیس منٹ بعد جب وہ سامنے آئے تو وہ نہال ہو گئی۔سیاہی مائل براؤن شلوار سوٹ میں سیاہ سوفٹی۔چہرے پر تازہ شیو کی نیلاہٹیں۔چمکتا چہرہ جو سدا سے سرخ و سفید تھا۔گھنی مونچھیں۔

معصوم آنکھیں جو دنیا کے حساب کتاب کے معاملے میں چٹی ان پڑھ تھیں۔خشک چمکدار بال جو بار بار پیشانی پر آگرتے تھے۔اپنے چوڑے چکلے وجود کے ہمراہ وہ اس کا مان بڑھا رہے تھے۔

اوہ ماجد بھائی۔خدا نظر بد سے بچا۔ماشائاللہ۔۔۔وہ مارے جوش کے بیربط ہو گئی۔

بس ماجد بھائی۔بش آپ ان کیسامنے چوکس بیٹھیے گا۔آخری گزارش ہے۔

وہ ملتجی انداز میں بولی۔تو وہ سادگی سے مسکرا دیے۔

جیسے ہی مہمانوں کی آمد کا سلغلہ اٹھا ماجد بھائی تھوڑا تھوڑا سا گھبرا گئے۔مگر جلد ہی خود پر قابو پالیا۔

اور جب وہ ان کے ہمراہ ڈرائنگ روم میں جارہی تھی۔برآمدے میں عمر ٹکرا گیا۔اس نے سر سے پاؤں تک ماجد بھائی کو دیکھا پھر عنابی پھولوں سے مزین لان کے سوٹ میں خوشی سے گلنار ہوتی ہوئی صبا کو۔

ماجد بھائی۔بڑی نیک گھڑی ہے۔ہمارے لیے بھی دعا کیجیے گا۔

وہ شرارت سے مسکرایا اور وہ اس کے وارفتہ انداز سے زیادہ اس بات پر خوشی سے پھولی نہ سمائی

کہ اس نے ماجد بھائی کو کتنی اپنائیت سے بلایا ہے۔ بظاہر سرد مہری سے بولی۔ ہم ڈرائنگ روم میں جا رہے ہیں۔ کسی درگاہ پر نہیں۔ ماجد بھائی ڈرائنگ روم میں داخل ہوان کی آواز آئی۔

انہوں نے حاضرین کو بڑے وقار سے سلام کیا تھا۔ پھر خود صبا بھی اندر چلی آئی۔ ہونے والی دلہن کے والدین دونوں بہنیں، عابدہ بیگم۔ صبا کے ماموں ممانی سب ہی موجود تھے۔

ماجد بھائی صوفے پر بیٹھ گئے۔ صبا لپک کر ان کے برابر ہی بیٹھ گئی۔

صبا کو تو اپنے ماجد بھائی سے بہت ہی محبت ہے۔ بچپن میں ماجد نے اس کے لاڈ بھی سگے بھائی سے بڑھ کر اٹھا ہیں۔ عابدہ بیگم نے شفقت سے اس کے ساتھ ساتھ رہنے کی وضاحت کی۔

جی وہ تو مجھے بھی اندازہ ہے۔ بیگم ضمیر مسکرائیں۔ پھر ماجد بھائی کی جانب متوجہ ہوئیں۔ ان کی نظروں میں پسندیدگی کا تاثر تھا۔

کیا کر رہے ہو بیٹا آج کل۔۔؟

سروس کرتا ہوں ایک پرائیوٹ کمپنی میں۔

اور کیا ارادس ہیں۔ وہ ضمنی سوال کرنے لگیں۔

جی۔ میں نے آئی سی ایم کا ایگزام دیا ہے۔ رزلٹ کا انتظار ہے۔ ان کی آواز بیحد آہستہ تھی۔

ماموں جان، عابدہ بیگم اور صبا ایک دم چونک پڑے۔ تو یہ سب ان سے کس قدر غافل تھے اور یہی سمجھ رہیت تھے کہ وہ بی کام ہیں اور بس۔

ارے ماجد بھائی آپ تو چھپے رستم نکلے۔ نہ پڑھتے نظر آتے ہیں نہ لکھتے۔ صبا کو واقعی حیرانی

تھی۔ لو آئی سی ایم کا امتحان دیے بیٹھے ہیں۔

مہمان ماجھ بھائی سے باتیں کرنے لگے۔ وہ بیحد مختصر جواب دے رہے تھے۔

بیگم ضمیر کو یہ شاندار اٹھان والا کم گو سا، لائق نوجوان بیحد پسند آیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بزرگ آپس میں باتیں کرنے لگے۔ چا آ گئی تھی۔

ماجد بھائی۔ یہ بتائیے۔ آپ کا اسٹار کیا ہے؟

ان کا اسٹار پائیسز یعنی حوت ہے۔ صبا نے بات اچک لی۔

رائے صبا۔ ان کی معلومات تھی تمہیں حاصل ہیں۔ ہونے والی سالی نے مذاق کیا۔

بات یہ ہے نازو۔ ماجد بھائی کو تو ان اسٹارز وسٹارز سے رتی برابر بھی دلچسپی نہیں ہے۔ میں ہی شوق رکھتی ہوں سب چیزوں کا۔ وہ ہنس کر بولی۔

صبا تمہارا اسٹار کیا ہے۔۔؟

میرا سنبلہ ہے یعنی ورگو۔

ارے بڑے حساس اور آئیڈلسٹ قسم کے لوگ ہوتے ہیں یہ۔

آئیڈلسٹ۔۔؟ صبا حیران ہوئی۔

اور کیا خود بھی تمام نقائص سے بالاتر نظر آنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دوسروں سے بھی یہی توقع کرتے ہیں۔ جہاں ان کے معیار سے کم بات ہوئی۔ بڑی مشکوک ہوتی ہے ان کی وفاداری۔

نازو سے بڑی سیماب نے ٹکڑا لگایا۔

ار۔۔رے نہیں بھئی۔صبا نے قہقہہ لگایا۔پھر سنجیدگی سے بولی۔

بھئی جب انسان ذہین ہے۔محنتی ہے۔اپنا محتسب ہے۔تو کیوں نہ کیرکٹر بلڈنگ (کردار سازی) کی جانب توجہ کرے۔

ہماری آپا کا تو اسد ہے۔نازو بولی اور شرارت سے ماجد کو دیکھا۔

ارے خدا کی مار ان ستاروں پر۔یہ آج کل کے بچے تو پاگل ہو گئے ہیں۔جہاں دو جمع ہو اور شروع ہو گئے۔دنیا پہلے خاندان، حسب نسب کی فکر کرتی تھی۔آج کل یہ موستارے برج آ گئے ہیں باقی سب پیچھے۔بیگم ضمیر بچوں کی سمت متوجہ ہو گئی تھیں۔ان کی گفتگو سن کر سخت ناگواری کا اظہار کیا۔

ضمیر صاحب اور ماموں جان ہنس پڑے۔عابدہ بیگم اور ممانی بھی مسکرا دیں۔

ضمیر اینڈ فیملی بہت خوش خوش رخصت ہوئی۔ادھر سب گھر والوں کو بھی گھرانہ اچھا لگا تھا۔ ماموں جان ماجد بھائی سے پوچھنے لگے کہ انہوں نے آئیسیا یم کی تیاری کب کی؟ امتحان کب دیا؟ صبا کو تھوڑا غصہ اس بات پر آ رہا تھا کہ عمر ڈرائنگ روم میں نہیں آیا تھا۔

اور اب ٹھاٹھ سے لان کے شیڈ کے نیچے بیٹھا غالب کا لمبا ملہار گا رہا تھا۔وہ چا کا کپ لیے اس کے پاس چلی آئی۔

بھئی۔تم بہت بداخلاق ہو۔کیوں نہیں ملے ماجد بھائی کے سسرال والوں سے۔۔؟

ابھی کہاں سے سسرال والے۔۔؟

اوفوہ۔نہیں ہیں تو ہو جائیں گے۔تم اندر کیوں نہیں آ؟

سنا تھا اندر دو خوبصورت لڑکیاں بھی ہیں۔سوچا۔۔بس تمہارا خیال کیا۔

میں ایسی جلنے والی نہیں ہوں۔وہ برا مان گئی۔

معلوم ہے۔مجھے لیکن بہت زیادہ محبت۔بہت زیادہ اعتماد بھی اچھا نہیں ہوتا۔کیا معلوم۔اندر ڈبل گیم ہو جاتا۔پھر تمہارا کیا ہوتا۔۔۔؟ وہ بدستور چھیڑ رہا تھا۔

کچھ نہیں ہوتا۔ہم تو بڑے ٹائٹ سوداگر ہیں۔اس ہاتھ دو۔اس ہاتھ لو۔

وہ فولڈنگ ٹیبل پر کپ رکھ کر مسکرائی۔

اسے چاہت نہیں کہتے کہ مرد کہیں جایا اس کے سامنے خوبصورت لڑکی آ تو دل دھڑک جا کسی انہونی پر۔

محبت تو اعتماد کا دوسرا نام ہے۔دونوں فریقوں کو اطمینان ہونا چاہیے کہ کوئی کہیں بھی جا کہیں بھی ہو ہمارا ہے۔ہمارے لیے سوچتا ہے۔

سفید کپڑوں میں ملبوس نیم دراز سا عمر اپنی نازک مگر چاند چہرہ منگیتر کو دیکھ کر رہ گیا۔

تمہاری جیسی لڑکیوں کو اتنا بے نیاز بھی نہیں ہونا چاہیے۔ان کے مردوں کی زندگی بہت آسان ہو جاتی ہے۔اتنی حساس عورتیں معاملہ کھلنے پر اور پندار کی شکست پر شاید خودکشی کر لیں۔اس نے ہنس کر بہت سنجیدہ بات کی۔

ایسا نہیں کرنا چاہیے نا۔عمر۔۔۔؟ زندگی اور کھیل میں بہت تضاد ہے، بہت فاصلہ ہے ان دو

الفاظ میں۔ وہ اندر جنے کے لئے پلٹ گئی۔

اور وہ جانے کیا سوچنے لگا تھا۔

ماجد بھائی کی زندگی الگ عذابوں میں گرفتار ہوگئی تھی۔ وہ تو سمجھ رہے تھے بس اب ان کا کام ختم۔ پتا چلا لڑکی والوں ن ے انہیں اپنے گھر مدعو کیا ہے تا کہ قریبی رشتہ دار بھی رازنی کا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

انہوں نے پھوپھی سے بہت بیچارگی سے پوچھا تھا۔

آخر یہ دیکھنے دکھانے کا سلسلہ کب تک چلے گا۔۔؟

ماجد بھائی۔ اس دن تک جب تک آپ دلہن گھر تک لانے کا قصور نہیں کر لیتے۔

ماں کے بجائے صبا بولی۔ تو پاندان ٹٹولتی ممانی بھی مسکرا دیں۔

اس نے سوچا کہ آج دلہن کی تصویر حاصل کر کے ماجد بھائی کو ضرور دکھا گی۔ ضمیر صاحب وغیرہ پرانے خیالات کے حامل تھے۔ لڑکی روبرو دیکھنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس نے ماحد بھائی کو سمجھا دیا تھا کہ ذرا اچھی طرح تیار ہوں ہوسکتا ہے وہاں کسی سوراخ سے لڑکی کی آنکھ بھی ٹکی ہو۔ اس بات پر تو ماجد بھائی کی پیشانی پر پسینہ پھوٹ نکلا۔

خیر وہ اپنی سسرال آف وہائٹ شاندار سوٹ پہن کر گ ء جو انہوں نے کمپنی کی سلور جوبلی پر تیار کرایا تھا۔ صبا کو بس ایک ہی دھڑکا تھا۔۔ کہ بیٹھے بیٹھے اور نہ پہنچ جائیں اپنے گھر میں تو وہ ان کے ساتھ لگی رہی تھی۔ اب لڑکی والوں کے ہاں ایسا کرنا اسے اچھا نہیں لگا تھا۔ اس نے بڑی

منت سے کہا تھا۔

ماجد بھائی بس ایک گھنٹے کے لئے۔ چڑیاں، طوطے، کمپنی قطعی فراموش کر دیجیے گا۔

ان کے سسرال والے شاید ہونے والے داماد کی کم آمیزی بھانپ گئے تھے لہذا خود ہی طویل گفتگو سے احتراز کیا۔ ان کی اسی سادگی اور کم آمیزی پر ان کی ساس سر سے پاؤں تک لوٹ پوٹ تھیں۔

بہت ارمانوں سے شادی کا دن آیا۔ ممانی نے صبا کے لیے بھی کئی خوبصورت جوڑے تیار کرا۔ اور صبا پر تو اتنی ذمہ داریاں تھں کہ اسے اپنا ہوش بمشکل تھا۔ رات جب دلہن گھر میں صبا کا نقشہ دیکھنے والا ہو رہا تھا۔ جھمکیوں کے سہارے ادھر ادھر جھول رہے تھے۔ آنکھوں کا کاجل پھیل گیا تھا۔ ہیئر اسٹائل لٹوں کے بکھرنے سے نیا روپ اختیار کر چکا تھا۔

اس نے جلدی جلدی منہ ہاتھ دھویا لان کا ڈھیلا ڈھالا سوٹ پہنا اور دلہن کے کمرے میں چلی آئی۔ گاؤ تکیے کے سہارے ٹکی مہر بھابھی تھکی تھکی سی بہت پیاری لگ رہی تھیں۔

اس نے ان کا میک اپ درست کر کے آہستگی سے کہا تھا۔

بھابھی جان، ہمارے بھیا بیحد سادہ ہیں۔ بیحد کم گو، وہ شاید دل میں آپ کو بہت سراہیں لیکن منہ سے کچھ نہ بولیں گے۔ یہ اور بات ہے ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور ہوں۔ اور وہ چھپے رستم نکلیں اور صبح آپ مجھے بتائیں کہ تمہارے بھیا نے ایک ہزار اشعار پر مشتمل قصیدہ کہا ہے۔

مہر جھینپ کر مسکرا پڑیں۔

وہ اس تھکا دینے والے عمل سے گھبرا کر ولیمے کی شب عمر کے کمرے میں چلی آئی وہ باہر کھلانے پلانے میں مصروف تھا۔ وہ تھوڑی دیر لیٹنا چاہتی تھی۔ وہ تھوڑی دیر آنکھوں پر بازو رکھے لیٹی رہی پھر کروٹ بدل لی۔

اس کے بازو کے نیچے ایک کتاب چبھنے لگی۔ اس نے لاپروائی سے کتاب اٹھا کر رکھنا چاہی تو چونک پڑی۔ وہ گزشتہ سال کی ڈائری تھی۔ وہ سرسری انداز میں ورق گردانی کرنے لگی۔ 25 اپریل کے صفحے پر اس کی نظریں ٹک گئیں۔ عمر کی پختہ تحریر میں رقم تھا۔

بعض اوقات محرومیاں بیحد خوبصورت ہوتی ہیں۔ بعض دوائیں شوگر کوٹڈ ہوتی ہیں۔ خدا نے مجھے صبا کی شکل میں ایک شوگر کوٹڈ دوا دی ہے۔ مگر بعض دوائیں بہت دیر میں اثر کرتی ہیں۔ میرا زخم، میری بیماری فوزیہ احسان ہے۔ اس کا علاج صبا کی صورت میں ہوا ہے۔ سارا دن ہنستا رہتا ہوں۔ مگر رات کو دریچے سے ٹک کر صرف فوزیہ احسان کو سوچنے کو جی چاہتا ہے۔ بعض اوقات اضطراب اتنا شدید ہوتا ہے کہ شدت سے جی چاہتا ہے ایک بار اسے دیکھ لوں۔ ان شدتوں میں زندگی اس قدر تلخ اس قدر پر آزار محسوس ہوتی ہے۔ اتنی محروم محسوس ہوتی ہے کہ فوزیہ میرے لہو میں زہر بن کر دوڑنے لگتی ہے۔ وہ شخص جوان شدتوں سے گزرا ہو۔ اس کرب سے واقف ہو وہ جانتا ہے۔

جان سکے گا کہ زندہ ہوتے ہو موت کیسے محسوس کی جاتی ہے۔۔؟

عشق میں کھو جاؤ گے

تو بات کی تہہ بھی پاؤ گے

صبا کے ہاتھوں پیروں پر لرزہ طاری تھی وہ پیچھے مڑی۔

2 مارچ۔ فوزیہ احسان کیا تمہیں احساس ہے کوئی نظروں سے تمہاری عبادت کرتا ہے؟

اس نے آگے کے صفحات پلٹے۔

6 مئی آج الوداعی پارٹی تھی۔ فوزیہ احسان۔ تم سنہری شہزادی محسوس ہوئی تھیں کتنے انداز ہیں تم میں، کہ میں پاگل ہو رہا ہوں

11 جون انسان مقدر کے سامنے کس طور بیبس ہین۔ تم نے بتایا ککہ تمہاری شادی ایگزام کے فورا بعد ہے۔ قصور تمہارا نہیں میرا ہے۔ میں نے تمہیں کیوں پوجا کیوں چاہا، تم نے تو کبھی مجھے خوش فہمی کا احساس نہیں دیا۔ زندگی بعض اوقات کس قدر بیبس ہوتا ہے۔ انسان۔ اے خوبصورت شہزادی۔ عمرت دراز باد۔

3 جولائی۔ آخر وہ مجھے کیوں نہیں بھولتی؟

21 دسمبر میں جینا چاہتا ہوں۔ اپنی زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔ اس لیے میں نے دوا پی لی ہے۔ یہ دوا پورے حاندان میں یکتا ہے۔ بیحد خوبصورت اور پروقار زندگی کے کسی موڑ پر فوزیہ احسان تم سے سامنا ہوا اور میری دوا میرے ساتھ ہوئی۔ کم از کم تمہیں یہ احساس تو ہوگا کہ میں گھاٹے میں نہیں رہا۔ صبا بہت اچھی لڑکی ہے۔ کاش میں اس کی قدر کرسکوں

صبا نے ضبط سے آنکھیں بند کرلیں۔ دو آنسو اس کی آنکھوں سے لڑھک گئے۔ اس نے ڈائری بند کردی۔ اس نے کروٹ بدل لی۔ اب اس کا پورا وجود ہچکیوں کی زد میں تھا۔ وہ احساس توہین پر پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ اس نے سارا بوجھ آنسوؤں میں بہا دینا چاہا تھا۔

☆☆

وقت کا پہیہ گھومتا رہا۔ اس نے اسکالرشپ کے لی اپلائی کر دیا تھا۔ یہاں وہاں احتجاج امڈ پڑا۔ امی اس کی شادی پر مصر تھیں اور وہ مصر جانے پر اڑ گئی تھی۔ وہ ریسرچ کے لیے جامعہ الازہر جانا چاہتی تھی۔ اس کا فیصلہ بہت سوچ و بچار کا نچوڑ تھا۔ اس نے اسلامیات میں ایم اے کیا تھا۔ اب پی ایچ ڈی کرنا چاہتی تھی۔

عمر کے کان میں پڑی تو سر شام آ کر اس پر الٹ پڑا

کیا ڈرامہ ہے جی۔۔؟ بس اب یہ سب کچھ نہیں چلے گا۔ بہت پڑھ لیا۔ حد ہوتی ہے انتظار کی۔

مگر میں مزید پڑھنا چاہتی ہوں۔ اس نے رسانیت سے کہا۔ اگر انتظار نہیں کر سکتے تو تم شادی کر لو کہیں بھی۔ اس نے بے نیازی سے منہ پھیر لیا۔

اچھا تماشا ہے۔ بھئی صبا بس سب مذاق ختم۔ ویسے بھی میں بہت عرصے سے نوٹ کر رہا ہوں تم بہت بدلی ہوئی ہو۔ بہت دنوں سے پلتا ہوا شکوہ آخر عمر کی زبان پر آ ہی گیا۔

سن لیا تم نے۔ بس۔ بس اب پڑھائی ختم۔ دنیا یورپ جاتی ہے یہ مصر کا قصد کرتی ہیں۔ وہ طنزیہ مسکرایا۔

اپنا اپنا سلیکشن ہے۔ وہ اس کی سمت دیکھے بنا گویا ہوئی۔

بس اب تم سے کہہ دیا ہے میں نے۔ وہ حکمیہ انداز میں بولا۔ میں امی سے کہہ دوں گا۔ کہ بس اگلے ماہ شادی ہوگی۔ وہ ٹیبل سے چابیاں اٹھا کر تیزی سے باہر چلا گیا۔

وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑی۔ ایسا قہقہہ جس کا اختتام دو ڈھلکتے آنسو تھے۔

اس نے باپ کی منت کی، سفارش کے لیے بھائی کو خط لکھا۔ بڑی خاموشی سے کاروائی میں مصروف رہی۔ امی اس سے بیحد سنجیدگی سے خفا ہو گئیں۔ تب وہ ماں کے سینے سے لگ کر رو دی۔

مای۔ میں ایک انسان ہوں۔ مجھے اپنی زندگی گزارنے کا پورا اختیار ہے۔ میں کسی زخم خوردہ انسان کی دوا بن کر وقت گنوانا نہیں چاہتی۔

اس نے ماں کو اصل بات بتا دی اور انکار یہ فیصلہ بھی۔ پڑھی لکھی ماں نے اذیت سے اکلوتی بیٹی کا دکھ سنا اسے اپنی خوشی سے زیادہ بیٹی کی خوشی منظور تھی۔ اور جب یہ جان لیا کہ اس کی بچی کی خوشی کس راہ میں ہے تو وہ راہ صاف کردی مگر آہستگی سے یہ ضرور کہا۔

بیٹی۔ مرد کا دل بھلکڑ ہوتا ہے۔ وہ بہت کچھ فراموش کر چکا ہوگا۔

مگر اس کی جانب سے انکار قائم رہا۔ کہا گیا اور بہت سے لڑکے ہیں۔ ان میں سے۔ اس کے جواب میں وہ خاموش رہی۔ البتہ دل میں کہا۔

امی ہو سکتا ہے ان کے بھی کراس ڈیٹ کیلنڈر نکل آئیں۔ کہیں گرد کی تہہ میں دبی کسی پرانے

رومان کی کہانی۔امی اس سے پیشتر میرے معصوم اور سچے دل کا مزید مذاق اڑایا جا۔میں اس سے بہتر سمجھتی ہوں کہ ایک لائق معلّمہ بن جاؤں۔

اور پھر وہ ایک معرکے سے نمٹ کر پیازی شلوار سوٹ میں ملبوس سیاہ گلاسز آنکھوں پر چڑھا ہینڈ بیگ بغل میں دبا ایک دن ایئر پورٹ پر موجود تھی۔سامنے بیحد شاکی سا عمر کھڑا تھا۔ماجد بھائی کو اس کے جانے پر سب سے زیادہ دکھ تھا۔سب سارے دعاؤں کی چھاؤں میں رخصت کرنے آ تھے۔

عمر بیحد خاموش تھا۔وہ اس سے سخت ناراض تھا۔ممانی آج کل صبا کو ضدی۔خودسر۔بیلگام کے خطابات سے نوازے میں مصروف تھیں۔اور کئی مرتبہ عمر سے کہہ چکی تھیں۔

ارے اس لڑکی کو اپنی پڑھائی اور اپنے حسن پر بہت زعم ہے۔خوب اچھی طرح ناک چنے چبوا گی۔لو۔بھلا۔بولیں بی۔اے۔کروں گی۔بے اے کرلیا۔ایم۔اے کرلیا۔ارے میرا لڑکا بدھوؤں کی طرح انتظار کرنے کو رہ گیا ہے۔

سامان کلیئرنس کے بعد جب طیارے کی سمت روانہ ہوئی تو سب نے بیحد شدتوں سے خدا حافظ کہا۔اس نے سنا ابو کہہ رہے تھے۔

بیٹے پاسپورٹ دھیان سے رکھنا۔

ماموں جان کا خدا حافظ اور عمر کا شاید آخری سلام۔ماجد بھائی کا محبت بھرا فی امان اللہ طیارے میں فرسٹ کلاس میں تھی۔اسے بیحد آزادی کا احساس ہو رہا تھا۔خوبصورت فرسٹ کلاس

پورشن کا سکون آفریں ماحول۔وہ کافی انجوا کر رہی تھی۔سامنے ایک خاتون ایک پسندیدہ میگزین لیے بیٹھی تھیں۔

دونوں ایئر ہوسٹس دو صاحبوں کی سمت متوجہ تھیں۔وہ اٹھ کر ان خاتون کے پاس آ گئی۔

کیا میں یہ میگزین لے سکتی ہوں؟

کیوں نہیں۔خاتون خوش دلی سے مسکرائیں اور اسے دلچسپی سے دیکھا۔

وہ میگزین لے کر واپس سیٹ پر چلی آئی۔اس کے عین مقابل ایک انگریز نوجوان بڑی روانی سے کچھ لکھنے میں مصروف تھا۔لکھتے لکھتے وہ اپنے قلم کو جھٹکنے لگا۔پھر لکھنے کی کوشش کرنے لگا۔پھر جھلّا سا گیا اور اپنی پاکٹس ہاتھوں سے ٹٹولنے لگا۔

صبا اس کا جائزہ لے رہی تھی۔اس نے اپے ہینڈ بیگ سے قلم نکالا اور اس نوجوان کی سمت بڑھا دیا۔نوجوان نے بہت تشکر سے اسے دیکھا۔اور دھیمے سے مسکرا کر تھینک یو کہا۔

پھر گھڑی دیکھی اور ایئر ہوسٹس کو بلایا۔بیحد آہستگی سے کچھ کہا جس کے جواب میں اس نے سر ہلایا۔

وہ مسلسل کچھ لکھنے میں مصروف تھا تب ہی ایئر ہوسٹس نے شیریں لہجے میں بلایا۔

مسٹر ایرک۔واٹر پلیز۔

نوجوان نے بیگ سے ایک کیپسول برآمد کیا اور پانی سے نگل کر ایئر ہوسٹس سے تھینک یو کہا۔پر اپنے کام میں مصروف ہوگیا اور صبا کو اس کے نام سے واقفیت ہوگئی۔

اور سامان کلیئرنس قاہرہ ایئرپورٹ پر کراتے ہوا سے عجیب سا اطمینان ہوا کہ اس کے برابر میں ایرک کھڑا کلیئرنس کرا رہا تھا۔

ایئرپورٹ سے باہر آ کر وہ پاپا کے دوست اسد صاحب کا انتظار کرنے لگی جنہیں فون پر اطلاع کر دی گئی تھی۔

ایرک غالباً ٹیکسی دیکھ رہا تھا۔ صبا کو دیکھ کر بڑے دوستانہ انداز میں مسکرایا اور اسکے قریب آ کر پوچھا۔

کسی مدد کی ضرورت تو نہیں۔۔۔؟

صبا نے اس کا شکریہ ادا کیا اور بتایا کہ اس کے انکل آنے والے ہیں۔

انکل احسن اسکے والد کے بیحد قریبی دوستوں میں سے تھے۔ ان کی دوستی کی ابتدا سترہ سال قبل ہوئی تھی۔ جب دونوں مختلف عہدوں پر پاکستانی سفارت خانے میں لیبیا آتے تھے اور انہی کی وجہ سے اس کے پاپا اتنے مطمئن بھی تھے، انکل احسن مختار کئی بار گھر آ چکے تھے۔ وہ انہیں اچھی طرح پہچانتی تھی

اور پھر اس نے سیاہ کار سے انکل کو اترتے دیکھ لیا۔ وہ تیزی سے اتر کر اس کی سمت آتے تھے۔

طویل القامت سرخ سرخ بیحد شفیق انکل۔ اس کے دل کو عجیب سی تقویت اور اطمینان محسوس ہوا۔

اس کے سلام کا جواب دے کر بولے۔

معاف کرنا بیٹے۔ میں لیٹ ہو گیا۔ تم گھبرائیں تو نہیں۔

ارے نہیں انکل۔ مجھے معلوم تھا۔ آپ ضرور آئیں گے۔ وہ مسکرائی

ایرک ٹیکسی میں بیٹھ چکا تھا۔ صبا نے بلا ارادہ نگاہ سامنے اُٹھئی تو ایرک نیبڑی رشتہ دارانہ بیتکلفی سے ہتھ ہلا دیا۔ جواباً صبا کو بھی مسکرانا پڑا۔

وہ انکل کے پرسکون گھر چلی آئی۔ انکل لاولد تھے۔ اس کا اعلان گھر کی خاموشی بھی کر رہی تھی۔ آنٹی مصریوں کے اسٹائل میں ملبوس ملیں۔ اس پیشانی پر بوسہ دیا۔

دو تین دن اس نے معلومات حاصل کرنے پر لگا۔ رہائش کا مسئلہ حل کرنا چاہا تو آنٹی نے کہا۔ وہ ان کے پاس ہی رہے گی۔ اس نے سوچا یہ تو بعد میں ہوگا پہلے یونیورسٹی سے متعلق ضروری کاروائی سے نمٹ لے۔ انکل اس کی بیحد مدد کر رہے تھے۔

جامعہ الازہر میں خود کو الازہر کی طالبہ محسوس کرتے ہوا سے عجیب سا افتخار محسوس ہوا اس نے انکل کے ہمراہ تمام یونیورسٹی دیکھ ڈالی۔ عظیم الشان درسگاہ سے اسے عجیب سی اسیت کا احساس ہوا۔

پورا ہفتہ نہایت تھکا دینے والا تھا۔ اس دوران اس نے گھر بڑا مختصر فون کیا تھا۔ سوچا تھا بعد میں تفصیل سے خط لکھ ڈالے گی۔

ابھی وہ فارمیلیٹیز سے گزر رہی تھی تحقیقی کام کا آغاز ابھی نہیں کیا تھا۔ لائبریری باقاعدگی سے جانے لگی تھی۔ اب اس نے منت کی کہ وہ ہاسٹل رہنا چاہتی ہے۔ آنٹی نے خفگی سے پوچھا کہ

اسے کیا پریشانی ہے۔تمہاری وجہ سے ہمارے ہاں بھی رونق ہوگئی۔ان کا اصرار شدید تھا پر پاکستان سے پاپا کا فون بھی آ گیا کہ انکل کے ہاں ہی رہائش اختیار کرلے کوئی مضائقہ نہیں وہ بہت مصر ہیں دوسرے تمہاری امی کو بھی اطمینان رہے گا۔اب وہ ہتھیار ڈال چکی تھی۔

انکل نے الازہر کے لائق ترین اساتذہ سے اس کا تعارف کرادیا تھا۔اوران سے توقع کی تھی کہ وہ اس غیر ملکی مگر ہم مذہب لڑکی کی بوقت ضرورت مدد کریں گے۔وہ ذہنی طور پر خود کو اس نئے ماحول میں جذب کرلینا چاہتی تھی تاکہ کام سہل لگے۔قاہرہ کے پررونق راستوں سے گزر کر جب وہ انکل کے کاٹیج میں داخل ہوئی تو پہلی خبر یہ سنی کہ پاکستان سے اس کے منگیتر عمر کا فون آیا تھا۔

اس کے تیز قدم سست سے پڑ گئے۔

مت پریشان کرو مجھے۔چھوڑ دو میرا پیچھا۔اس نے کتابیں مسودے میز پر ڈال کر تھکے تھکے انداز میں سوچا تھا۔

عمر۔تمہارے ڈبل کراس نے مجھے منزل سجھا دی ہے۔جو کچھ میں کررہی ہوں۔اب یہ میری منزل ہے۔میں شاید احمق ہوں۔مگر نہ بیایمان ہوں نہ اپنے ساتھ بیایمانی پسند کرتی ہوں۔ پاکستان چھوڑا تھا اس سے قبل تمہاری راہ۔

اس نے کپڑے اٹھا اور باتھ روم میں چلی گئی۔غسل سے فارغ ہوکر آنٹی کے تیار کردہ برگر کھا اور چاپی۔مگر ذہن جیسے بری طرح الجھ چکا تھا۔کچھ دیر بعد اس کا حل سوجھا۔وہ کاغذ قلم لے کر

بیٹھ گئی۔

عمر صاحب

السلام علیکم

امید ہے بخیریت ہوں گے۔میں یہاں بہت مصروف ہوگئی ہوں۔قاہرہ مجھے پسند آیا۔مجھے زیادہ اجنبیت محسوس نہیں ہوئی۔

عمر میرا تم سے رشتہ صرف فرسٹ کزن کا ہے۔اس ناتے جب چاہے فون کرو۔خط لکھو منگیتر کا رشتہ اس روز ختم ہوگیا تھا جس دن ماجد بھائی کا ولیمہ تھا۔

سنو فوزیہ احسان تمہیں چمکہ دے کر دوسرے کی منکوحہ بن سکتی ہے مگر تم میری خواہشات کے مدفن پر ریاکاری کا ملمع چڑھا کر ظاہری خوشی اور باطنی نوحہ نہیں منا سکتے۔

ہم جتنی ایمانداری سے تعلق نبھاتے ہیں اسی ایمانداری سے ردعمل مانگ سکتے ہیں۔مجھ میں ذہنی طور پر بھی کمی نہیں اور شاید تمہاری بدقسمتی ہے کہ عام لڑکیوں کی طرح بیوقوف بھی نہیں ہوں۔اس لیے فوزیہ احسان کے زخم خوردہ میں تمہاری دوا نہیں بن سکتی۔کہ دوا کئی مراحل سے گزر کر دوا بنتی ہے۔اور میں ان مراحل سے گزرنے کے لیے وہ بھی ایک بیایمان آدمی کے لیے قطعی تیار نہیں۔میری قربتوں میں فوزیہ احسان کے لیے زندہ رہنے والے انسان۔میں کہ خوددار لڑکی کی یہ توہین برداشت نہیں کرسکتی۔میں حاسد نہیں عملی اور سچی ہوں۔

تم جانتے ہو اس کائنات کی سب سے خوبصورت بات۔اس کائنات کی سب سے اٹل حقیقت

محبت ہے۔مگر عمر۔محبت میں بائرن کی وہ عورت نہیں بن سکتی جو مرد کا آخری رومانس بننا چاہتی ہے۔عمر۔ با اصول اور سچے لوگ بعض اوقات کس قدر محروم ہوتے ہیں۔عمر میں تم پر عنایت کرسکتی ہوں۔ میں تم پر رحم کھاسکتی ہوں۔محبت نہیں کرسکتی۔تم نے جو احساس توہین مجھے دیا ہے۔اس نے مجھے اس قدر کرب واضطراب بخشا ہے کہ مجھے محبت کی بات یاد ہی نہیں رہتی۔تم کسی ایسی لڑکی کا انتخاب کرلو جو صرف روٹی کپڑے اور تمہارے ظاہر کی طالبگار ہو جس کے کانوں میں امرت ٹپکانے کے بعد تم کروٹ بدل کر فوزیہ احسان کی تلاوت کرسکو۔ میں ہر چیز کو اس کی اصلیت میں دیکھ کر مطمئن ہوتی ہوں۔

میرا خیال ذہن سے نکال دو۔میں تمہاری روایتی بیوی بن کر نہیں رہ سکتی۔میرے نزدیک زندگی محبت کا مشن ہے۔ میں ایک جوڑا کپڑوں کا اور دو وقت کی روٹی کے عوض تمہاری نسل پروان چڑھانے کی ذمہ داری نہیں لیسکتی۔میں روایتی لڑکی نہیں میں روایتی مرد سے نفرت کرتی ہوں۔ اس روایتی مرد سے جو عورت کو محض مشینری سے زیادہ وقعت نہیں دیتا۔اس کے محبت ونفرت کے جذبات نہیں سمجھ سکتا۔عمر میں نے خود کو اپنی ذات کو بڑی محنت سے پروان چڑھایا۔میں تم جیسے کھوکھلے، دوغلے، مرد کے لیے خود کو ضائع کرنا اپنی توہین سمجھتی ہوں۔اور میں ان عورتوں میں سے بھی نہیں ہوں۔ جو خدا معلوم کون سی آزادی کی بات کرتی ہیں۔میں شادی بھی کروں گی۔گھر بھی بناؤں گی والدین کی مرضی سے۔مگر اس شخص سے جو مجھے اپنی اصلی حالت میں ملے گا۔میں یعنی صبا جس کی پہلی اور آخری طلب ہوگی۔ مجھے یقین ہے ایسا شخص مجھے ضرور مل

جا گا۔ مجھے افسوس ہے میں زیادہ تلخ ہوگئی۔اب مجھے چھیڑنے کی غلطی نہ کرنا۔گذر میں سب کو سلام۔والسلام

صبا (قاہرہ2اگست)

اس نے گویا سارا غبار نکال پھینکا تھا۔بیحد ہلکی پھلکی ہوکر وہ لان میں چلی گئی۔اس نے خط انکل کو پوسٹ کرنے کے لیے دے دیا تھا۔

موٹی موٹی کتابوں میں گم رہ کر وہ بیحد خوش تھی۔کبھی ماجد بھائی کو فون کرتی۔ان کے آفس ان سے باتیں کرکے دل کھول کر ہنستی۔کبھی گھر سے فون آجاتا اور وہ ماں سے اپنے دل کی بہت سی باتیں کرڈالتی۔امی سے اسے معلوم ہوا تھا کہ اس کے فیصلے کے بعد ممانی کا رویہ بہت ناگوار ہے اور عمر نے تو بالکل آنا چھوڑ دیا ہے۔اس نے ماں سے کہا۔

امی آپ کیوں پروا کرتی ہیں۔آئندہ سال بھائی جان پاکستان منتقل ہوجائیں گے۔پھر میں بھی آجاؤں گی۔اور ممانی نے بنانے والی باتیں کب کی ہیں۔ یہ گاڑی تو آپ کی قوت برداشت کے بل پر چل رہی تھی۔اور عابدہ بیگم کو اپنی سمجھدار بیٹی کی باتیں سن کر عجیب سی طمانیت کا احساس ہوتا۔

اس روز اسے کافی دیر ہوگئی تھی۔گھر آ ؤی تو آنٹی مہمانوں میں گھری بیٹھی تھیں۔

غالباً پورا کنبہ تھا۔جدید مصران کی پوشاک سے ظاہر تھا۔دولڑکیاں، دولڑکے جن میں ایک کافی بردبار سا تھا اور ان کے والدین۔آنٹی نے اس کا تعارف کرایا اور بتایا کہ یہ ان کے پڑوسی

ہیں۔ تین ماہ بعد امریکہ سے واپسی ہوئی ہے۔ سیر کی غرض سے گئے ہو تھے۔ پھر اس نوجوان سے انگریزی میں مخاطب ہوئیں۔

احمد۔ تمہیں یہ جان کر خوشی ہوگی کہ یہ میری بیٹی بھی الازہر کی طالبہ ہے۔ اس نوجوان کے چہرے پر خوشیوں بھرے تاثرات واقعی نمودار ہو۔ صبا بھی خوش ہوئی یہ جان کر کہ وہ اس سے سینئر ہی سہی مگر الازہر سے متعلق ہے۔

وہ سدا کو ایجوکیشن اداروں میں پڑھتی رہی تھی۔ لہذا بلا جھجک احمد سے مسکرا کر ملی۔ احمد نے بتایا اس کا پورا نام احمد الخماش ہے۔ اس کے والد بزنس میں ہیں اور ان کا نام ان کے والد نے اپنے دل پسند قائد جمال عبدالناصر کے نام پر عبدالناصر رکھا تھا۔ آنٹی نے احمد کے دیگر بہن بھائیوں سے تعارف کرایا۔ لڑکیوں نے اس دراز بالوں والی نازک سی گڑیا کو بیحد پسندیدگی سے دیکھا تھا۔

اب اس کا اور احمد کا ساتھ ہوگیا تھا۔ دونوں اکثر اکٹھے ہی یونیورسٹی جاتے البتہ واپسی مختلف اوقات میں ہوتی۔ بعض اوقات وہ اس کے انتظار میں بیٹھ جاتا تھا اور تھکن سے چور باہر آ کر دیکھتی تو اس کے خلوص سے متاثر ہوجاتی۔ پھر ہنس کر کہتی احمد مجھے اسکول بہت یاد آتا ہے۔ جتنا نظم وضبط و وقت کی پابندی اسکول میں ہوتی ہے کہیں نہیں ملتی دوبارہ۔

وہ حیران ہوکر اسے دیکھتا۔ تمہیں اچھی لگتی ہیں پابندیاں؟

ہاں۔ قوانین اس لیے بنا جاتے ہیں کہ انسان جانور سے نمایاں نظر آ۔

بھئی تم پہلی پاکستانی لڑکی ہو جس نے مجھے اتنا متاثر کیا ہے۔ وہ مسکراتا۔

کیا سب پاکستانی لڑکیاں ایسی ہوتی ہیں۔ اتنی موڈیسی (شرمیلی، باحیا) اور پنکچوئل) وقت کی پابند۔)؟

ارے نہیں الخماش۔ میں نمائندہ نہیں ہوں۔ شاید بہت تنہا ہوں۔ بھئی جس طرح قدیم مصر میں تم نے جدید مصر بنالیا ہے۔ اور تین نسلیں اپنے اپنے تضادات کے ہمراہ مصروف کار ہیں بالکل اسی طرح ہمارے ہاں کا معاملہ ہے۔ وہ اتنی توجہ و اختصار سے بات سمجھاتی تھی کہ وہ واقعی متاثر ہوجاتا تھا۔

وہ حیرت انگیز طور پر ساری دنیا کے بارے میں جانتی تھی۔ وہ ارسطو پر تنقید کرتی تھی کمال یہ تھا کہ قائل کرلیتی تھی۔ وہ مصر کی خارجہ پالیسی سے متفق نہیں تھی۔

اسے ایران میں تخت اور تختہ کی بنیادی وجوہات بنیاد سے معلوم تھیں۔ اسے یہ بھی یاد تھا کہ نیشاپور ہوٹل میں دھماکا کیوں ہوا تھا۔ تہران میں سینما گھر میں لوگ کس ماہ، کس سن اور کس وجہ سے زندہ جل گئے تھے۔

وہ امریکہ کو اپنا بیاعتاد دوست کہتی تھی اور کیوں کہتی تھی دلائل سے ثابت کرتی تھی۔ اسے اپنے ملک میں ہونے والی چھوٹی سے چھوٹی بات کی وجہ معلوم تھی۔ وہ اپنے رہنماؤں کی شان بڑھانا جانتی تھی۔ وہ اتنی انتہا پسند تھی کہ بنگلہ دیش کے بجا ہمیشہ مشرقی پاکستان کہتی تھی اور اپنی وطن دوستی کا اظہار یوں کرتی تھی کہ یہ واحد سچ ہے جسے میری روح آج بھی ایک واہمہ سمجھتی ہے۔

الخماش اتنے سی جز میں اتنا کل دیکھ کر سخت حیران ہوتا تھا۔ وہ فارسی، اردو، انگریزی، عربی روانی سے بول لیتی تھی۔ اتنی خوبصورتیوں، اتنی خوبیوں کے باوجود وہ اتنی بینیاز تھی کہ یقین نہیں آتا تھا۔

وہ مصر اور امریکہ کے مختلف پرچوں میں اخبارات میں اپنے مقالات بھیجتی تو ایک نظر الخماش کو بھی دیکھنے کو دیتی۔ اس پر الخماش نے کہا تھا میں صرف تمہاری وجہ سے پاکستان ایک بار ضرور دیکھنے جاؤں گا۔

اس کے مقالات پر تبصرے شائع ہوتے وہ بنڈل کے بنڈل پاکستان باپ کے پاس بھجوا چکی تھی۔ اسے اتنی حوصلہ افزائی ملی تھی کہ اس میں ایک شاہانہ بینیازی جھلکنے لگی تھی۔

اس روز وہ الخماش سے کتاب لینے لکڑی کا زینہ کھٹ کھٹ طے کرتی اوپر پہنچی تو ایک شناسا چہرہ دکھائی دیا۔ اس نے فوراً ذہن پر زور دیا۔ تو یاد آ گیا۔

وہ اس کا ہوائی ہمسفر ایرک تھا۔ ایرک نےبھی اسے پہچان لیا تھا۔ وہ برطانوی شہری تھا۔ اس کا باپ مصری سفارت خانے میں تھا اور ماں پاکستان کے ایک ہاسپٹل میں سینئر ڈاکٹر تھی جو جلد ہی مصر منتقل ہونے والی تھی۔ ایرک اس سے بڑے احترام سے پیش آیا۔ یہ جان کر کہ وہ ایک محقق ہے۔

الخماش نے اس کی بیحد تعریف کی اور ایرک کے بارے میں بتایا وہ بھی آکسفورڈ یونیورسٹی میں لسانیات کا طالب علم ہے اور اس کا گہرا دوست ہے۔

اسی دوران وہ آرام کی خاطر اپنے بھائی کے پاس شکاگو جانے کا پروگرام بنانے لگی تو معلوم ہوا کہ ایرک بھی شکاگو جا رہا ہے۔ اپنے ایک پرانے دوست سیملنے۔

اس نے آنٹی کو لے جانا چاہا مگر آنٹی نے انکار کر دیا کہ وہ حال ہی میں امریکہ سے واپس ہوئی تھیں۔

طوہ اس مرتبہ اکانومی کلاس میں ہمسفر تھے۔ ایرک نے اسے بہت مزے مزے کے واقعات سنا۔ وہ تقریباً ساری دنیا گھوم چکا تھا۔

شکاگو پہنچ کر وہ بھائی اور بچوں میں اتنی مصروف ہو گئی کہ دھیان بھی نہ آیا کہ ایرک بھی اسی شہر میں موجود ہے۔ وہ ایک روز سیڑھیوں میں بچوں کے ہمراہ بیٹھی خوش گپیوں میں مصروف تھی کہ پھلوں کے لفافے اٹھا نیلی آنکھوں والا ایرک مسکراتا ہوا آ گیا۔

اس نے بڑی سادگی سے ایرک کو بتایا جب میں برطانوی کرکٹ ٹیم کے پیارے پیارے کرکٹرز کو دیکھتی تو جی چاہتا ان سے دوستی کروں۔ اور اب مجھے بہت خوشی ہے کہ ان میں سے تم کسی نہ کسی سے ملتے ضرور ہو۔ مجھے تمہاری دوستی سے خوشی ہوئی ہے۔ دراصل ایرک میں خواہ مخواہ متاثر ہونے والوں میں سے نہیں ہوں۔ بس مجھے خوبصورت چہروں کے درمیان رہ کر خوشی محسوس ہوتی ہے۔

اور وہ اس درجہ صاف گو تھی کہ وہ دل میں کئی بار ہاؤ اسٹرینج کہتا۔

وہ نہایت سیدھا سادا نوجوان تھا جو نہ ڈرنک کرتا تھا نہ سگریٹ پیتا تھا اور اتنا محتاط و حساس کہ کبھی

صبا سے ہاتھ نہیں ملایا بلکہ مسکرا کر ہیلو کر دیا کرتا۔ اس کے نزدیک یہ ایک ایشین لڑکی کا بیحد احترام اور اس کی اقدار کا پاس تھا۔ اتن معصوم اور خوش مزاج تھا کہ اس کی بھتیجی اور بھتیجے ایرک انکل کے پرستار ہو گئے۔ اس نے بیس دن بیحد خوشگوار ماحول میں گزارے۔ پھر وہ ساتھ ہی قاہرہ واپس آ گئے۔ اور وہ اپنی تحقیقی سرگرمیوں میں مگن ہو گئی۔

دن اتنی تیزی سے گزر رہے تھے کہ اسے بالکل ہوش نہیں تھا۔ ایرک اور احمد الخماش سے وہ کافی دن سے نہیں ملی تھی۔ وہ اس کے ڈسٹرب ہونے کے خیال سے گھر بھی نہیں آتے۔ الخماش کی بہنیں البتہ مستقل آتی جاتی رہتی تھیں۔ جنہیں آنٹی سنبھالتی تھیں۔ وہ تو دن رات لکھنے میں مصروف رہتی تھی۔

ایک طویل تھکا دینے والے معمول سے گزر کر اس نے سنا کہ انکل آنٹی اور ان کے ملنے جلنے والے نیل پر جا رہے ہیں۔ اس نے پڑھا تھا کبھی نیلا سمندر۔ تیز رو دریا، انسان کے اعصاب کو تازگی عطا کرتے ہیں۔ وہ بیحد خوش خوش ان سب کے ہمراہ نیل پر آئی تھی۔ بہت قصے سن رکھے تھے اس نے اس عظیم دریا کے۔ انکل نے اسے کئی مرتبہ گاڑی میں دریا کی صورت دکھائی تھی۔ مگر آج سب اہتمام سے آتے تھے۔

سب لوگ ادھر ادھر بکھر گئے تھے۔ الخماش و ایرک ایک جگہ بیٹھے دریا میں کنکریاں مار مار کر بڑی سنجیدہ گفتگو میں مصروف تھے۔ آنٹی اپنی سہیلیوں میں قہقہے لگا رہی تھیں۔ الخماش کی بہنیں تیراکی میں مصروف تھیں۔ وہ بڑی تنہا سی پانی میں ٹخنے ڈبو کھڑی تھی۔ اس نے گلاس سر پر کھسکا کر سامنے بائیں سمت ایرک اور الخماش کی سمت دیکھا۔ الخماش سر جھکا بات کر رہا تھا اور ایرک کی نظریں مستقل صبا پر ٹکی تھیں۔ صبا یوں بن گئی جیسے دیکھا ہی نہیں۔

تھوڑی دیر بعد اسے محسوس ہوا کہ کوئی اس کے پیچھے کھڑا ہے۔ اس نیگر دن موڑ کر دیکھا۔ پشت پر ہاتھ باندھے ایرک آنکھیں سکیڑے مسکرا رہا تھا۔ اپنی بھاری آواز اور رواں انگریز میں گویا ہوا۔

بور ہو رہی ہو صبیا (صبا)؟

ارے نہیں۔ وہ ہنس پڑی۔ اتنی رونق ہو رہی ہے بور کیوں ہوں گی۔؟

وہ اپنی جین کے پائنچے گھٹنوں تک پلٹ کر اس کے ہمراہ دور تک پانی میں چلا آیا۔

کیا تمہارا دل نہیں چاہتا کہ تم پورا مصر دیکھو؟ ایرک نے اپنے پہلو کی سمت دیکھا جہاں صبا بڑی خاموش سی تھی۔

ابھی پڑھائی سے فارغ ہو لوں پھر سوچوں گی۔ وہ مسکرائی۔

تم اتنا کیوں پڑھ رہی ہوں صبیا۔۔۔؟

اچھا سوال ہے۔ ایرک پڑھائی بھی کبھی اتنی ہوئی ہے۔ وہ کھلکھلائی۔

تم۔ بہت حاضر جواب ہو۔ ایرک لاجواب ہو گیا۔

میرا مقصد ہے تمہارے والدین نے تمہاری شادی نہیں کی۔ بلکہ اتنی دور پڑھنے بھیج دیا۔

بھئی تم نے ایک دانہ دیکھ کر پورے غلے کا اندازہ کر لیا۔ ہمارے ہاں بھی اکثر والدین اپنے

بچوں کو اعلی تعلیم دلوانا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔میرے والدین کو فخر ہے کہ میں اعلی تعلیم حاصل کر رہی ہوں۔رہی شادی۔یہ بھی ہو جاگی۔

تمہاری مرضی سے؟

ہاں۔میری بھی لازما مرضی ہوگی۔اس نے اڑتے پرندوں کے ساتھ ساتھ نظریں دوڑا کر کہا۔

صبا۔مذہب کے بارے میں تمہارے کیا خیالات ہیں؟

صبا کا دل بڑے زور سے دھڑکا۔اس نے کنکھیوں سے ایرک کو دیکھا۔

مذہب۔اس کائنات کی سب سے خاص اور بہت اہم چیز ہے۔یہ انسان کو ایک خاص ڈھب،خاص طرو پر پابند کرتا ہے۔یہ پابندیاں بڑی عقیدت سے قبول کی جاتی ہیں۔سب سے بڑھ کر یہ کہ مذہب انسان کے باطن سے ہمکلام ہوتا ہے۔اس کا تعلق انسان کے خمیر و قلب سے ہے۔

کیا اسے بدلنا آسان ہے۔میرا مطلب ہے یہ تبدیلی انسان اختیار کر سکتا ہے آسانی سے؟

نہیں ایرک مذہب کا تعلق مادیت سے نہیں ہے اور وہ لوگ جو مادی شے حاصل کرنے کے لیے مذہب بدلنے کا فیصلہ ایک لمحہ میں کر لیتے ہیں۔میں سمجھتی ہوں ان کا کوئی مذہب نہیں۔کوئی مقصد حیات نہیں۔کوئی تعین حیات نہیں۔ایرک الفریڈ یہ آمادگی،دنیا کی تمام آمادگیوں میں سب سے مشکل ترین امادگی ہے۔جس کا کوئی مذہب نہ ہو۔مذہب سے محبت نہ ہو وہ اعتبار کے لائق نہیں ہوتا۔مذہب کے متعلق میں بیحد جذباتی ہوں۔ایرک نے اپنی مایوس نظریں اس پتھر لڑکی سے ہٹالیں۔وہ سر جھکا سوچ رہا تھا کہ وہ اس موضوع کو بدلنے کے لئے کون سی خوشگوار بات کرے۔

صبا نے اس کی مشکل آسان کر دی۔گلاسز آنکھوں پر ٹکا کر بولی۔

آؤ ایرک ادھر چلیں۔الخماش تنہا بیٹھا ہے۔

وہ واپس پلٹ آ۔آنٹی اپنی لڑکپن کی پکنکوں کا تذکرہ کر رہی تھیں جو انہوں نے کثیر تعداد میں پاکستان میں منائی تھیں۔الخماش کی ماما بہت دلچسپی سے سن رہی تھیں۔سیاہ اسکرٹ پہنے اسکن کلر کی جرابیں پنسل ہیل۔سر پر باریک سیاہ رومال۔وہ مصر آکر اپنے جدید طبقے پر تنقید کرنا بھول گئی تھی۔سادات ک مصر شاہ کا ایران بن چکا تھا۔وہ اسلامی ملک میں بڑے جذبے سے آئی تھی۔مگر نگاہ کی سجائی یہاں بھی میسر نہیں آئی تھی۔

کھانے پینے کا سلسلہ شروع ہو۔ایک ہنگامہ ہوا۔گھر آتے آتے سب اس قدر تھک چکے تھے کہ آتے ہی بستروں پر پناہ ڈھونڈی۔

اگلی روز وہ باہر بیٹھی آنٹی کے کرتے پر کڑھائی میں مصروف تھی کہ الخماش چلا آیا۔

بلو جین اور وائٹ شرٹ میں سوئی سوئی آنکھوں والا الخماش بیتحاشا سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

کیا ہو رہا ہے؟آنٹی کہاں ہیں؟وہ قریبی کرسی پر بیٹھ گیا۔

ارے بھئی،تمہیں اتنی فرصت مل جاتی ہے۔وہ کرتا الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔

اچھا تو کیا میں سوا سون اور پڑھنے کے کوئی اور کام نہیں کر سکتی؟وہ ہنس کر اسے دیکھنے لگی۔

ہوں۔وہ کرتا واپس رکھتے ہوا سے گہری نظر سے یکھ کررہ گیا۔

خیریت، آج بہت چپ چپ ہو۔

ایسے ہی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔وہ کہیں اور گم تھا۔

کیا کوئی پریشانی ہے؟

ارے نہیں۔وہ جیسے ہوش میں آ گیا۔

اور تمہارا کام کتنا رہ گیا؟

بس تقریباً ختم ہی سمجھو۔وہ مسکرائی۔بس اب تو شاید ہم تمہارے ملک میں تین چار ماہ کے مہمان ہیں۔

ہاں، تم مجھے بہت یاد آؤ گی۔بہت اچھا وقت گزرا۔

بس۔۔صبا نے نظریں اٹھائیں۔وہ نیچے دیکھ رہا تھا۔

یہ ایرک نظر نہیں آ رہا آج کل۔وہ اس کی بیوجہ کی خاموشی سے بددل ہو کر بولی۔

ایسے ہی ڈپریسٹ ہو رہا تھا۔تم پر نگاہ پڑی تو سوچا تمہارے پاس بیٹھنے سے کچھ طبیعت بہلے گی۔وہ رک کر بولی۔

تم بور تم نہیں ہو رہی ہو؟

اس قدر بور ہو رہی ہوں۔بتا نہیں سکتی۔وہ صاف گوئی سے بولی اور واپس کرتا اٹھا لیا۔

احمد جیسے جیسے میرے جانے کے دن قریب آ رہے ہیں۔میرا جی چاہ رہا ہے۔

ہاں ہاں۔وہ بیتابی سے بولا۔

میرا جی چاہ رہا ہے اڑ کر اپنے وطن پہنچ جاؤں۔اب مجھے۔۔۔امی، پاپا۔۔بہت شدت سے یاد آ رہے ہیں۔اس کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے۔

ارے تم اتنی مضبوط ہو کر رو رہی ہو۔

پتا نہیں امی مجھے کس طرح بھلاتی ہوں گی۔وہ اس کی بات نظر انداز کر کے آنسو خشک کرتے ہو بولی۔

ارے تم روتی بھی ہو۔وہ ہنس دیا۔

اسی دم آنٹی آ گئیں۔صبا بہت بری بات ہے بیٹے پھر روتی ہو۔نانسنس میری جان۔وہ اس کا گال تھپتھپا کر مسکرائیں۔کم آن۔

آنٹی آپ کی تو میں بہت قدردان ہوں۔آپ نے محسوس ہی نہیں ہونے دیا کہ میں بیگھر ہوں۔

اچھا اب ہمیں اداس مت کرو۔آؤ احمد صبا ہمیں بہت اچھی سی کافی پلا گی۔اٹھو بیٹا ہری اپ۔

آؤ احمد ہم ڈرائنگ ہال میں چلتے ہیں۔میں تمہیں صبا کے ہاتھ کے بنا ہو مکرامے دکھاؤں۔

صبا کرتا واپس تھیلے میں ڈال کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

آنٹی سے کریم کا پوچھنے کہ کہاں رکھی ہے یا ختم ہوگئی ہے۔وہ اندر آئی تو الخماش کی آواز سنائی دی۔اپنی دانست میں وہ بہت آہستہ بول رہا تھا۔

آنٹی آپ غلط سمجھیں۔ میں اور صبا بہت اچھے دوست ہیں اور کچھ نہیں۔ وہ مجھے پہلی نظر میں بہت اچھی لگی تھی۔ وہ اتنی اچھی ہے کہ ایک وقت میں کئی اعلی مرتبت لوگوں کا آئیڈیل بن سکتی ہے۔

میں اسے بیوی کے روپ میں قبول نہیں کرسکتا۔ وہ اتنی جینئیس ہے کہ مجھے اس کے سامنے احساس کمتری ہوتا ہے۔ میں اس کیسامنے بعض اوقات بہت مشکل می پھنس جاتا ہوں۔ مجھے اس کی تائید یا تردید کرنا بیحد مشکل معلوم ہوتا ہے وہ بہت زیادہ جانتی ہے۔ انسان اپنی بعض چیزیں چھپا کر بھی رکھنا چاہتا ہے۔ مگر اس لڑکی کی نظر اتنی تیز ہے کہ مجھے اس سے خوف آتا ہے۔ وہ اتنی سچی ہے کہ اس نے مجھے اپنی زندگی کی ایک ایک بات کھول کھول کر بتائی ہے۔

بنیادی اختلاف خطہ ٔارض سے ہے۔ وہ مصر پر نکتہ چیں ہے۔ وہ کہتی ہے کہ ہم فلسطینیوں سے نظر بچاتے ہیں۔۔۔ ہم اسرائیل کی پیٹھ سہلانے والوں میں سے ہیں۔

اسے بھی اپنے وطن سے محبت ہے اور مجھے بھی اپنے وطن سے۔ یہاں پر ہمارے راستے علیحدہ ہوجاتے ہیں۔ لگتا ہے اسے محبت کی ضرورت ہی نہیں۔ سہارے کی تمنا ہی نہیں۔

وہ ہر بات عقل کی کسوٹی پر پرکھتی ہے۔ بعض تو مجھے امریکہ کا روبوٹ لگتی ہے۔

وہ جانے کیا کہتا رہا۔ وہ خاموشی سے پلٹ آئی۔ عورپ سچ بولے عورت حقائق سے آنکھیں چار کرے تو وہ بجذبہ آئرن لیڈی سمجھی جاتی ہے۔ مرد خلا میں جاتا ہے۔ سچی، کبھی سیاسی، کبھی دل شکن حقیقت کہتا ہے مگر محبت بھی کرتا ہے۔ اتنی ساری خوبیوں کے ہوتے ہوبھی اسے انسان کی سند دی جاتی ہے۔ عورت وقت سمجھنے کی اہلیت رکھے تو نری مشین۔۔۔

وہ ایک جہاں پیچھے چھوڑ کر بلیک کافی بنانے لگی۔ وہ مشین نہیں تھی۔ اس کے آنسو بھی خوددار تھے۔ اندر ہی اندر دل پر گر رہے تھے۔

آہستہ آہستہ اس کے جانے کے دن قریب آ گئے۔ آج کل وہ سیر و تفریح میں مصروف تھی۔

ایک شام وہ ابوالہول کے مجسمے کے مقابل کھڑی اپنی زندگی پر غور کررہی تھی۔ الخماش نے پیچھے سے آ کر پوچھا۔

جانتی ہو یہ ابوالہول کیا کہہ رہا ہے؟

ہاں۔ وہ پھیکی سی ہنسی ہنس کر بولی۔ کہتا ہے میں لازوال ہوں۔ اپنی تعریف خود کرتا ہے۔ اس کے جسم میں روح نہیں۔ یہ پرت پرت جھڑنے لگا ہے۔ مجھے اس کے زعم پر ہنسی آتی ہے۔

الخماش نے ایک اڑتی سی نظر ڈالی۔

ہوں تو پھر۔ بس اب جانے والی ہو۔

بھئی، تمہیں کیا فرق پڑے گا؟ وہ بے تاثر ہوگئی۔

بہت۔ اس لیے کہ مجھے اپنی عجلت پر تاسف ہوتا ہے۔ وہ نیچے سے پتھر چننے لگا۔ صبا نے۔۔۔ چونک کر اسے دیکھا۔

صبا میں شادی شدہ ہوں۔ ورنہ تم کو اپنی دسترس سے دور نہ جانے دیتا۔۔ کبھی بھی۔ اس نے سامنے دیکھ کر پتھر سے خواہ مخواہ نشانہ لیا۔

صبا کا دل اس کی نظروں میں جھکنے لگا۔ الٰہی یہ جھگڑ کب بند ہوں گے۔

میری بیوی ایک برطانوی عورت ہے۔ میں نے سب سے لڑ کر اس سے شادی کی تھی۔ مگر وہ بیوفا نکلی اور لالچی بھی۔ اس نے مجھے مواقع دیے کہ میں اشتعال میں آؤں۔ ہمارا مقدمہ لندن کی ایک عدالت میں ہے۔ اس نے مجھ پر ایک کروڑ ڈالر نان نفقہ کا دعوی دائر کر رکھا ہے۔

دوسال ہو گئے ہیں مقدمے کو، خوش قسمتی سے میرے حق میں جاتا لگ رہا ہے۔

جس دن آنٹی سے، میرا مطلب ہے آنٹی مجھ سے تمہارے بارے میں باتیں کر رہی تھیں۔ میں نے تمہاری چاپ سن لی تھی۔ میں نے اصل بات گول کر دی تھی۔ میں تم سے اپنی اصلیت چھپانا چاہتا تھا۔ مجھ میں ہمت نہیں تھی۔ تم سچے مرد کی تلاش میں ہو اور بے نام میرا دل بھی نہیں ہے۔ اس نے چھوٹا سا کنکر مجسمے کی سمت پھینکا۔

صبا اگر تم برا نہ مانو تو ایک بات کہوں؟

صبا کا سر جھکا رہا۔

صبا آج کی دنیا بڑی باشعور ہے۔ آج کا بچہ بڑے پختہ تصورات کے ہمراہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ ہاتھ پاؤں میں توانائی آتے ہی بہت جلد اپنے دل بند آئیڈیل کو پا لینا چاہتا ہے۔ محسوس کر لینا چاہتا ہے۔ وہ زیادہ دیر اکیلا نہیں چل سکتا۔ ہر چند کہ اسے راہ میں ٹھوکریں کھانی پڑیں۔ ہم سفر بدلنے پڑیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ تم شاید بہت لیٹ ہو گئی ہو۔۔۔ بینام و نہاد و سادہ ورق جیسا دل۔ بہت مشکل ہے۔

صبا کو محسوس ہوا۔ الخماش اسے جیت لینا چاہتا ہے۔ وہ سامنے اندھیرے دکھا کر اسے اپنا ہمنوا بنانا چاہتا ہے۔

تمہاری بیوی کا کیا نام ہے؟ اس نے بات بدل دی۔

گلوریا۔ مگر اب وہ میری بیوی نہیں۔

صبا ہلکے سے مسکرائی۔ غضب خدا کا۔ میں یہاں پڑھنے آئی تھی۔ خاوند یا آئیڈیل ڈھونڈنے نہیں۔

کیا تمہیں میری بات کا اعتبار نہیں آیا کہ میں اس دن تمہیں سنانے کو جھوٹ بول رہا تھا۔ آنٹی سے؟

نہیں خیر، جھوٹ وہ بھی نہیں تھا۔ جھوٹ یہ بھی نہیں ہے۔

تم نے آنٹی سے بہت اہم بات کہی تھی کہ ہمارا بنیادی اختلاف خطہ ارض ہے۔ کہا تھا ناں؟

ہاں، میں نے کہا تھا۔ اس دن میں تمہیں شدت سے ٹھکرانا چاہتا تھا۔ شاید اپنا کامپلکس چھپانے کے لیے کہ تمہارے خیالات کے مطابق ٹھکرا جانے کے لائق تو شاید میں ہوں جس کی بیوی نے دوسال سے زندگی عذاب کر رکھی ہے مگر اب تم جانے لگی ہو تو تمہیں کھونے کا احساس دت سے ہو رہا ہے۔ تم بہت مضبوط لڑکی ہو۔ تمہارے اعصاب فولادی ہیں۔

شکریہ۔ آؤ ادھر چلیں دیکھو آنٹی تھک کر بیٹھی ہوئی ہیں اور یہ انکل کہاں چلے گئے؟ اور الخماش نے مایوسی کے عالم میں ایک کنکر ابوالہول کو کھینچ مارا۔

واپسی پر اس نے الخماش سے پوچھا۔

کیا آنٹی تمہارے اس المیے سے واقف نہیں ہیں؟

اس نے گاڑی سیباہر دیکھتے ہوکہا۔

بہت اچھی طرح۔ آنٹی نے مجھ سیکہا تھا کہ صبا انہیں اپنی اولاد کی طرح عزیز ہوگئی ہے۔ وہ چاہتی ہیں اب تمہیں مستقل یہیں رکھیں۔انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں تم سے شادی کرلوں اور گلوریا والی بات تم پر ظاہر نہ کروں۔ان کے خیال میں یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔لیکن میں کیونکہ تم سے بہت اچھی طرح واقف ہو چکا ہوں۔کوشش کے باوجود تم سے اپنی زندگی کا یہ اہم موڑ نہیں چھپا سکا۔

پیچھے سے آنٹی کی آواز آئی۔ارے بچوں کیا باتیں کررہے ہو؟

ایسے ہی آنٹی۔کوئی خاص بات نہیں۔

اور جب وہ ایئرپورٹ پر کھڑی سب سے مل رہی تھی تو آنٹی نے ماتھا چوم کر کہا۔

صبا جان کوئی کوتاہی ہوگئی ہو تو معاف کردینا۔تو صبا کی آنکھیں چھلک پڑیں۔اس نے آنٹی کے ہاتھ چوم لیے۔جذبات کی یلغار نے اس کی زبان بند کردی تھی۔

بلیک سوٹ میں ملبوس ایرک خوش اخلاقی سے مسکرا رہا تھا۔سفید سوٹ میں پہاڑ سی محرومیاں اٹھا احمد الخماش مسکرا رہا تھا۔اس کی بہنیں الوینہ اور ربیعہ۔اس کے جانے پر رنجیدہ تھیں۔یہ اجنبی لوگ اب اس کے قریبی رشتہ دار بنے اس کے دل کا بوجھ بڑھا رہے تھے۔اس نے بس کو وطن

آنے کی دعوت دی تھی۔

وہ خوش دلی سے ایرک سے مخاطب ہوئی۔

ایرک یاد ہے تم میرے پہلے ہمسفر تھے۔

ایرک نے نیلی مسکراتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔(کاش)

پھر وہ اندر بڑھ گئی۔اور جہاز میں بیٹھی سوچ رہی تھی۔گھر میں تو بہت رونق ہوگئی ہوگی۔بھیا، بھابھی کے جانے سے۔ماجد بھائی کا بیٹا تو چلنے لگا ہوگا۔امی نے بتایا تھا۔عمر کی شادی ہوگئی ہے۔وہ اپنی بیوی کے ہمراہ ہنی مون ٹرپ پر گیا ہوا ہے۔پاپا، کتنے پیارے ہیں میرے پاپا۔کبھی میری راہ میں حائل نہیں ہو۔اے خدا۔۔۔یہ یہاں سے وہاں تک چاہنے والوں کا کیسا سلسلہ بندھا ہے۔پاپا پرسوں فون پر کتنے پیار ارافتخار سے مجھے ڈاکٹر صبا خان کہہ رہے تھے۔وہ پیچھے سے پیچھا چھڑا کر اب اپنے گھر میں جھک رہی تھی۔دل چاہ رہا تھا۔وقت کو پر لگ جائیں یا وہ اڑ کر گھر پہنچ جا۔

وہ منہ اندھیرے کراچی پہنچی تھی۔کلیرنس کے بعد وہ باہر آئی وہ مارے خوشی کے آنکھوں میں آنسو آگئے۔امی، پاپا، بھیا، ماجد بھائی اس کے استقبال کو کھڑے تھے۔امی اسے سینے سے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھیں۔پاپا خوشدلی سے کہہ رہیت ھے۔ارے بھئی بیٹی ڈاکٹر ہو کر، پی ایچ ڈی ہو کر آئی ہے۔تم عجیب ہو کہ رو رہی ہو۔

امی کو یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ ان کی آنکھوں کے سامنے ہے۔

بھیا بھابھی سے ملنے کے بعد اس نے ماجد بھائی کا حال پوچھا۔ بھائی کے متعلق، بیٹے کے متعلق۔ وہ خاموشی سے مسکراتے رہے۔ اسے ان میں کوئی تبدیلی نظر نہیں آئی تھی۔ وہی خاموش خاموش گم صم سا انداز۔

وہ گذر آئی تو ملنے ملانے اور مبارکبادیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ وہ ہفتہ بھر مصروف رہی۔ اسی دوران اس پر سخت اعصاب شکن انکشاف ہوا کہ مہر بھابھی نے ماجد بھائی سے طلاق لیلی ہے۔ وہ لشتم پشتم ماموں کے ہاں پہنچی تھی۔ عمر کی دلہن ممانی کی پسند کی تھی۔ وہ بہت خوش تھیں۔ صبا سے خندہ پیشانی س مسکرا کر ملی تھیں۔ ماجد بھائی کا خوبصورت اور محت مند بیٹا آپا پال رہی تھیں۔ اس نے ممانی سے مہر بھابھی کے فیصلے کی بابت پوچھا تو وہ تھوڑی دیر کو خاموش ہوگئیں پھر اٹھ کر اندر گئیں اور ایک سبز لفافہ اس کے سامنے لا کر ڈال دیا۔ صبا نے لفافہ کھولا۔ ماجد بھائی کے نام ایک طویل خط تھا۔

مسٹر ماجد

السلام علیکم۔

بعض باتیں تقدیر ہوتی ہیں۔ مجھے بیحد دکھ ہے کہ تمہارے گھر والوں نے مجھے قربانی کا بکرا سمجھا۔ تم آدمی نے ایک برف کی سل ہو۔ تمہیں معلوم نہیں کہ محبت زندگی کی اٹل ضرورت ہے۔ میں نے تمہارے ساتھ جو دن گزارے وہ مجھے بھیانک خواب معلوم ہوتے ہیں۔ تمہیں تمہارے طوطے، چڑیاں اور بیٹا مبارک اور وہ جو تمہاری بہن بن ٹھن کر میری شادی میں آگے آگے تھی خود کو بہن بنا کر بچا گئی۔ ایسی ہی تمہاری ہمدردی تھی تو تم سے نکاح پڑھوا لیتی اور زندگی کار خیر میں صرف کرتی۔ ایسا مٹی کا مادھو میرے لیے ہی رہ گیا تھا۔ خود مجھے عذاب میں ڈال کر پڑھائیاں کرتی پھرتی ہے۔ تمہاری اور اس کی عمر میں فرق ضرور تھا۔ مگر تم اس کے باپ کے برابر تو نہیں تھے۔ عمر کی منگیتر تھی۔ اسے عمر کی منگیتر کس نے بنایا تھا؟ اس کی چالاک ماں نے۔ سب کچھ میری سمجھ میں آ گیا۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اس نے عمر کو کیوں ٹھکرا دیا؟ میرے لیے مٹی کا مادھو ڈھونڈ کر اپنے لیے بادشاہ زادے تلاش کرتی پھرتی ہے۔ میری تو آہ پڑے گی اس پر۔

صبا کا وجود تھرا کر رہ گیا۔ اس سے آگے نہ پڑھا گیا۔ مہر نے اتنی رکیک زبان استعمال کیا تھی کہ اسے ممانی کے سامنے شرم آنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں سمندر اتر آیا۔

ارے خدا معلوم کیا تکلیف تھی اس۔ اتنا سیدھا سادہ آدمی ملا تھا۔ دن کو رات کہتی تو وہ رات کہتا۔ رات کو دن کہتی تو وہ دن کہتا۔ ارے کم بختوں نے گھر نہیں بسانے۔۔ اماں باوا کے کلیجے پر مونگ دلنا ہے۔ یہ لچھن ہوتے ہیں شریف زادیوں کے۔ اس پر بیٹے کی دعویدار بن رہی تھی۔ باپ کے گھر سے جہیز میں لائی تھی بیٹا؟

اس نے خط لفافے میں ڈال دیا۔ اور خاموش سی ہوگئی۔

اسی دم ماجد بھائی بھی آ گئے۔ اسے ماجد بھائی سے بیانداز شرمندگی کا احساس ہو رہا تھا۔

ارے بھئی صبا تم کب آئیں؟ وہ مسکرا۔

ابھی آئی تھی ماجد بھائی

پھر دونوں ہی خاموش ہوگئے۔وہ کچھ کہنے کے لئے الفاظ ڈھونڈ رہی تھی۔

ماجد بھائی

ہوں۔

میں۔۔۔میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں۔

ارے تم کیوں شرمندہ ہو۔کوئی تم نے کرائی تھی شادی۔دیکھا پرکھا تو ہم نے تھا۔تم کیوں اپنا جی ہلکان کرتی ہو؟ ممانی نے دلاسا دیا۔

ہاں۔اور کیا صبا بھلا اس میں تمہارا کیا قصور ہے؟ جو قسمت میں تھا مل گیا۔ماجد بھائی اسی دھیمے پن سے بولے۔

اسی دم ہنی دوڑتا ہوا آیا اور ماجد بھائی کی گود میں چڑھ گیا۔صبا نے آگے بڑھ کر اسے گود میں لے لیا۔

ماجد بھائی ماشاءاللہ کتنا پیارا بچہ ہے آپ کا۔ماجد بھائی آپ کو تو بہت دکھ ہوا ہوگا۔

امی آپا کہاں ہے۔ہنی کے کپڑے نہیں بدلے اس نے ۔ ماجد بھائی ممانی کی طرف متوجہ ہوگئے۔

صبا کو خوشگوار حیرت ہوئی۔وہ ممانی کو آپا کے بجائے امی کہہ رہے تھے۔

ارے نامراد سستی ماری ہے۔کسی کونے میں پڑی رسالہ پڑھ رہی ہوگی۔ممانی کاہلی سے اٹھتی

ہوئی بولیں۔

دیکھتی ہوں کہہ رہی تھی کہ ہنی کا فیریکس ٹھنڈا کرنے کے لیے فرج میں رکھنے جا رہی ہوں۔اے موئی فرج میں پڑ کر سو گئی ہے کیا؟ وہ بڑبڑاتی ہوئی برآمدے کے موڑ پر غائب ہوگئیں۔

اب کیا ارادے ہیں صبا؟ انہوں نے شاید زندگی میں پہلی بار اس سے اپنے طور پر بات کی تھی۔

یونیورسٹی میں اپلائی کر دیا ہے۔دیکھیں کب جواب آتا ہے۔عادت سی ہوگئی ہے مصروف رہنے کی۔

بھئی تمہاری کمی مجھے بہت محسوس ہوئی۔کوئی کان کھانے والا ہی نہیں رہا تھا۔

اچھا تو ہم آپ کے کان کھا کر زندہ تھے؟ وہ مصنوعی خفگی سے بولی۔

اور آپ کے پرانے طوطے بوڑھے ہو کر مر کھپ گئے یا نئی نسل کی رہنمائی کر رہے ہیں؟

ماجد بھائی بے ساختہ مسکرا دیے۔

اسے ایک گونہ اطمینان ہوا کہ ماجد بھائی کے جی پر کوئی آزار نہیں، اسے ان میں کوئی تبدیلی محسوس نہیں ہوئی تھی۔

امی ایک بیلوث بہن تھیں۔بھائی نے صبا کو عمر کے لیے مانگا تو ان کی خوشی جان کر اقرار کر لیا۔

اب صبا نے اپنا عجیب وغریب فیصلہ سنا دیا تو وہ سوچ میں پڑ گئیں۔اتنی لائق فائق حسین وجمیل بیٹی۔دنیا کیا کہے گی۔

اسے معلوم تھا ماجد بھائی کبھی نہیں مانیں گے اور اسی نے ممانی کو اس میدان میں دوڑایا۔اور وہی

ہوا ماجد بھائی نے انکا کر دیا۔

تب اس نے فون پر اپنی مخصوص طراری سے کہا۔

سنیے ماجد بھائی اگر میری منگنی عمر سے نہ ہوئی ہوتی تو میں صرف آپ سے شادی کرتی۔ اور خوشی سے آپ کے بچے پالتی اور آپ کے ساتھ بیحد خوش رہتی۔

دوسری طرف ماجد کی پیشانی پر پسینہ پھوٹ نکلا۔

سن رہے ہیں آپ میں کبھی آپ کو تنہا نہیں دیکھ سکتی۔ میں آپ کو رشتے کی مناسبت سے بھائی بولتی تھی مگر اس طرح آپ میرے بھائی نہیں ہو گئے۔

اب وہ دلائل پر اتر آئی تھی۔ وہ ایک حقیقت پسند لڑکی تھی۔ وہ ان لڑکیوں میں سے نہیں تھی جو خواہ مخواہ کنواری رہ کر خود کو انٹلیکچوئل ظاہر کرتی۔ اسے یقین تھا کہ اس کا گھر بھی ضرور بنے گا۔ جہاں اسے امی کہہ کر مخاطب کرنے والی خوبصورت آسمانی روحیں ہوں گی۔ جنہیں وہ پودوں کی طرح سینچے گی۔ بھرپور زندگی گزارے گی۔ رات کے دھندلکوں میں اپنے ساتھی کے قلب پر صرف اپنا نام دیکھ کر عبادت ک سا سکون پے گی۔ محبت ملکیت، وفاداری اعتبار، اس کے گھر کے در و دیوار پر نقش ہوں گے۔

اس نے آئیڈیل نہیں ڈھونڈے تھے۔ خود کو آئیڈیل بنانا چاہا تھا۔ اسے ڈبل مائنڈڈ اور ڈبل کراس کرنے والوں سے چڑ تھی۔ وہ کھرے اور سچے بیلوث لوگوں کی پرستار تھی۔ وہ محبت میں مطلحت اور کھوٹ کی آمیزش کو قابل سزا جرم قرار دیتی تھی۔

ماجد نے بمشکل کہہ تھا کہ وہ سوچ کر جواب دیں گے۔

تب اس نے فون کریڈل پر رکھ کر سوچا تھا۔ ماجد بھائی اگر آپ میں قوت فیصلہ ہوتی۔۔۔؟

شادی کے تین چار دن بعد تک ماجد بھائی اس طرح بچتے چھپتے رہے گویا ان سے کسی سنگین جرم کا ارتکاب ہو گیا ہو۔

اس روز صباہنی کو چمچ سے آئسکریم کھلاتے ہو ساتھ ساتھ اس سے باتیں بھی کر رہی تھی۔ کہ فون کی گھنٹی بجی۔ ماجد نے فون ریسیو کیا۔

ڈاکٹر صبا تشریف رکھتی ہیں؟

ماجد نے آہستگی سے ہولڈ کرنے کو کہا اور باہر آ کر نظریں جراتے ہو گویا ہو۔

فون آیا ہے۔ اتنا کہہ کر واپس پلٹ گئے۔ صبا مسکراتی ہوئی فون تک آئی اور چور نظروں سے ماجد کو دیکھ کر بولی۔

بھئی اس وقت تو میں اپنے شوہر اور بچے میں مصروف ہوں۔ کام کے بارے میں کل ہی بتا سکوں گی۔ آپ گھر پر آ جائی گا۔

جی؟ ٹھیک ہے۔ اوکے سر۔

رات کو صباہنی کو سلانے کے بعد ماجد کے لیے دودھ لینے چلی گئی۔

دودھ لا کر تپائی پر رکھا اور کیسٹ لگا دی۔ لتا کی آواز ابھری۔

قدر مورے من کی بلم نہیں جانے

بلم نہیں جانے سجن نہیں جانے

ماجد چند لمحے بے چین ہو۔آخر بول پڑے۔

بھئی ہنی اٹھ جاگا۔

اٹھ جاگا تو میں سلادوں گی۔

ماجد لاجواب ہوکر خاموش ہوگئے۔

بھئی،تم پتا نہیں اس شور میں کیسے کام کرلیتی ہو۔وہ اٹھ کر پلیئر تک آ اور بٹن دبانا چاہا۔صبا نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اس عمل سے باز رکھنا چاہا۔

انگوری نائٹی میں بگڑے بگڑے ہیئر اسٹائل کے ہمراہ۔کانوں میں سونے کی جھمکیاں پہنے وہ اتنی دلربا لگ رہی تھی۔اس پر ان کا مضبوط ہاتھ تھامے وہ انہیں روک بھی رہی تھی۔

سیاہ شلوار قمیض میں ملبوس ماجد بری طرح سٹپٹا گئے تھے۔گریبان کے تمام بٹن کھلے ہو تھے۔صبا نے دودھیا بازو دراز گریبان کے۔۔۔بٹن بند کرتے ہوآ ہستگی سے کہا۔

میں رات کو ایک پرانا گانا ضرور سنتی ہوں۔سنا آپ نے اور آپ نے پھر باقاعدگی سے شیو نہیں کی۔اگر آپ نے آئندہ لاپروائی کی تو میں آپ کو کبھی شیو بنانے نہیں دوں گی۔

ماجد نے اس اپنائیت پر نظریں اٹھا کر اس کا چہرہ دیکھا۔ان کی سانسیں اتھل پتھل ہونے لگی تھیں۔انہوں نے آہستگی سے اس کے ہاتھ ہٹادیے تھے۔

صبا کرسی پر بیٹھ کر دوبارہ لکھنے میں مصروف ہوگئی۔

عمر اسے ہکا بکا کھڑا دیکھ رہا تھا۔

ارے بھئی،سلام کرو ہمیں کیا بیا دبی سے ٹکر ٹکر دیکھ رہے ہو۔بھابھی ہوں تمہاری۔ڈاکٹر صبا ماجد پی ایچ ڈی بال بچہ سمیت۔

اور عمر کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔بلیو ساڑھی میں ملبوس لانبے دراز بالوں کی جگہ پر پیچ ہیئر اسٹائل اور مسکراتی آنکھوں کے ہمراہ ساتھ میں ہنی کو گود میں اٹھایہ صبا تھی۔

اور جب ممانی نے کہا تو اسے یقین کرنا پڑا۔اس کی بیوی بھی حیرانی سے صبا کو دیکھ رہی تھی۔

ارے عمر تمہاری دلہن تو بیحد کیوٹ ہے۔اس نے تعریف کی۔عمر خاموشی سے اندر بڑھ گیا۔

وہ عمر کی دلہن عاصمہ سے باتوں میں مصروف ہوگی۔

پھر کھانا کھا کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ہنی کو فیڈ کیا۔آیا سے کہا وہ اسے شام کو تیار کردے۔

وہ ایک دن کے لیے امی کے پاس جاگی۔

وہ وارڈروب میں سر دیے نجانے کیا دیکھ رہی تھی کہ بے ساختہ اچھل پڑی۔

صبا ماجد نے بڑی برہمی سے اسے پکارا تھا۔

جی؟وہ آگے بڑھ آ گئی۔

یہ۔۔۔یہ پنجرے خالی ہیں۔انہوں نے باہر کی سمت اشارہ کیا۔

میں نے صبح سب پرندے اڑادیے۔وہ بے نیازی سے بولی۔

مارے جذب کے ماجد کا چہرہ سرخ ہوگیا۔وہ ہونٹ کاٹنے لگے۔

صبا چاہ رہی تھی وہ چیخیں برسیں، اسے ڈانٹیں مگر۔۔۔وہ خاموشی سے سلگ رہے تھے۔صبا ان کے قریب چلی آئی۔

کوئی عورت اتنی بے نیازی برداشت نہیں کرسکتی۔ مجھے تو رشک آتا تھا ان پرندوں پر جنہیں کھانے پینے کے علاوہ آپ کی توجہ بھی حاصل تھی۔ میں اور میرا بیٹا آپ سے اپنے حقوق کے لیے جنگ کریں گے۔سمجھے آپ؟

ہم زندہ ہیں اور بپھر کے ہیں۔ ہماری چھتنار آپ ہیں۔ہم آپ کے بغیر نہیں رہ سکتے۔جس سے محبت کی جاتی ہے۔دل سے اس کا بھلا چاہا جاتا ہے۔ہم سدا سے آپ کے خیر خواہ ہیں۔

گویا ثابت ہوا۔ ہمیشہ سے آپ سے محبت کرتے چلے آ ہیں۔میرا سب کچھ آپ ہیں ماجد ہنی کا سب کچھ آپ ہیں ماجد۔

وہ عقلمند ہوشیار لڑکی انہیں ذات کا اعتماد بخش رہی تھی۔ ذہن میں گویا ننھے ننھے دیے اجال رہی تھی۔اس لمحے انہوں نے اپنے وجود کو بیحد مضبوط محسوس کیا۔

عمر صبا واقعی بہت اچھی لڑکی ہے۔میں سوچتا ہوں۔کاش اتنی عقلمند مہر ہوتی۔

چھن چھن۔صبا کے اندر کوئی چیز بری طرح ٹوٹی۔

شکست خوردہ عمر شاید کے متعلق کرید رہا تھا۔جس کے جواب میں ماجد نے بڑی سادگی سے صبا کا دل توڑا تھا۔

کیا قلب لوح محفوظ ہے جس پر کوئی نام آ کر مٹتا نہیں؟ بعض لوگوں کا حافظہ طاقتور ہوتا ہے۔صبا

وہ مکانوں کے نمبر سڑکوں کے نام نہیں بھولتے۔انسانی تعلق تو ان سب سے اہم ہوتا ہے۔نام یاد رکھنا محبت کی کسوٹی تو نہیں۔اس کا دل اسے بہلا رہا تھا۔

تیرے دل کے آنگن کی منڈیروں پر کتنے یادگار پرندے پھڑ پھڑا رہے ہیں۔

وہ نیلی آنکھوں والا ایک شناسائی کو امر بنانے کے جتن کرنے والا۔

اور اس سے بھی پہلے عمر۔۔۔دوغلا اور بیاعتبار پرندہ جو تیری شاخ دل پر بیقرار تھا اور تو نے خوشی سے اڑا دیا تھا۔

اور وہ تیری صاقت سے ڈرنے والا۔ایک کروز ڈالر کی زنجیر میں گرفتار۔۔۔تیرا پرستار۔۔احمد الخماش۔

اور یہ پرکٹا آخری پرندہ ماجد۔۔۔صبا۔۔ماجد تو تیرے خیر خواہوں میں سے ہے تجھے اپنی صداقتوں پر اعتبار نہیں؟۔وہ شاید خود کو تیرا مجرم سمجھتا ہے۔تو اسے احساس جرم سے آزاد کر نام محبت نہیں ہوتے محض یادداشت ہوتے ہیں۔ان سب پرندوں کو فرامشی کا دانہ ڈال کر اپنے پر کٹے پرندے کے ناز اٹھا۔یہ تیرے دل کی منڈیر چھوڑ کر جانے والا نہیں۔دعا کر تیرا آنگن آباد رہے۔نام محبت نہیں ہوتے۔بعض اوقات محض یادداشت ہوتے ہیں۔

اختتام------------------------ The End